بادشاہ کا خواب

بادشاہ کا خواب

داستان امیر حمزہ

حصّہ اوّل

مقبول جہانگیر

ایک تھا بادشاہ

میں اُن دونوں پانچ چھ سال کا تھا۔ ایک دن ایک مہمان آئے۔ ۷۰-۷۲ سال کی عمر، سفید ڈاڑھی، سرخ و سفید چہرہ، لوگ انہیں سیّد صاحب سیّد صاحب کہتے تھے۔ سیّد صاحب کے سامان میں بیس پچیس موٹی موٹی کتابیں تھیں۔ ایک کتاب کا وزن کم سے کم دو ڈھائی سیر تو ضرور ہو گا۔ میں ان کتابوں کو دیکھ کر بڑا حیران ہوا بھلا انہیں کون پڑھتا ہو گا۔ ایک ہی کتاب کو ختم کرنے میں برسوں لگ جاتے ہوں گے۔

پہلے ہی دن رات کو کھانا کھانے کے بعد گھر کے سب لوگ دالان میں جمع ہوئے۔ چاندنی کا فرش بچھایا گیا۔ ایک جانب سیّد صاحب کے لئے تخت بچھا۔

اس پر گاؤ تکیہ لگا۔ گاؤ تکیے کے آگے ایک چھوٹی سی چوکی لگائی گئی اور اس چوکی پر اتنی موٹی موٹی کتابوں میں سے ایک کتاب سیّد صاحب نے کھول کر رکھ لی اور اپنی میٹھی اور سریلی آواز میں پڑھنے لگے۔

میں بھی ایک طرف بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد سُننے والے واہ واہ۔ سبحان اللہ کے نعرے لگاتے۔ کہیں کہیں قہقہے بھی بلند ہوتے۔ وہ نہ جانے کب تک کتاب پڑھتے رہے، مجھے یاد نہیں کیوں کہ میں سو گیا تھا لیکن یہ واقعہ میرے ذہن پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نقش ہو گیا۔

اگلے روز میں نے گھر کے کئی لوگوں سے پوچھا کہ وہ کتاب کون سی ہے اور اس کا کیا نام ہے جو سیّد صاحب رات کو پڑھ رہے تھے؟ کسی نے جواب دیا اور کسی نے دیا۔ اب یہ معلوم ہو گیا کہ اس کتاب کا نام "داستان امیر حمزہ" ہے۔

پھر کئی سال بیت گئے۔ میں اب اس قابل ہو گیا تھا کہ اُردو کی بڑی بڑی کتابیں خود پڑھ سکتا تھا۔ داستان امیر حمزہ کی موٹی موٹی جلدیں مجھے خُوب یاد تھیں۔ لیکن انھیں ہاتھ لگاتے ہوئے ڈرتا تھا۔ آخر ایک دن جب میں

لائبریری گیا تو اللہ کا نام لے کر اس کتاب کو پڑھنا شروع کر دیا اور پھر کیا ہُوا؟

پھر یہ ہوا کہ میں سب بھول گیا۔ یہاں تک کہ کھانا پینا بھی ___ اب زندگی کی اتنی منزلیں طے کرنے کے بعد اور ہزارہا کتابیں پڑھنے کے بعد بھی یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے داستان امیر حمزہ سے زیادہ دلچسپ، حیرت انگیز اور ہوش اڑا دینے والی کوئی اور کتاب نہیں پڑھی۔

اب پتا چلا ہے کہ پوری کتاب ٦ جلدوں میں ہے اور اس کے صفحوں کی تعداد ١٨ ہزار کے لگ بھگ ہے۔ یعنی دو سو صفحے روزانہ پڑھو، تب کہیں آٹھ مہینے میں پوری داستان امیر حمزہ ختم ہو گی۔

پہلے زمانے میں نہ سینما، نہ تھیٹر۔ لوگ تفریح کے لیے کہانیاں گھڑتے اور ایک دوسرے کو سُناتے۔ آہستہ آہستہ بڑی بڑی داستانیں لکھی جانے لگیں۔ بادشاہوں کے ہاں کہانیاں کہنے اور داستانیں سُنانے والے ملازم تھے اور ان کی بڑی عزّت کی جاتی تھی۔

داستان امیر حمزہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ سلطان محمود غزنوی کے زمانے میں لکھی گئی اور پھر گزشتہ نو سو برسوں میں بہت سے لوگوں نے نئی نئی کہانیاں شامل کیں۔ یہاں تک کہ اس کی ۱۶ جلدیں تیّار ہو گئیں۔ ان کا جِلدوں کو پڑھنے کے لیے آج کسی کے پاس وقت ہے؟ اس لیے اب بازار میں اس کے خُلاصے بِکتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ بڑوں کے لیے ہیں اس لیے ان کی زبان بہت مُشکل ہے، بچّے نہیں سمجھ سکتے۔

میں نے اس کتاب کا خلاصہ لکھتے وقت صرف وہی باتیں لکھی ہیں جن سے بچّوں کو دلچسپی ہو سکتی تھی۔ زبان اتنی آسان کر دی ہے کہ پانچویں جماعت کا بچّہ بھی آسانی سے پڑھ سکتا ہے۔

یہ کتاب داستانِ امیر حمزہ کا پہلا حصہ ہے۔ پوری داستان دس حِصّوں میں شائع ہو گئی۔ مُجھے امید ہے کہ آپ اسے بہت پسند کریں۔

مقبول جہانگیر

جواہرات کا خزانہ

سینکڑوں برس گزرے، ایران کے ملک پر ایک بادشاہ، قباد کامران حکومت کرتا تھا۔ شہر مدائن اس کا دارالحکومت تھا۔ اس کی حکومت میں رعیّت خوش حال تھی۔ امیر غریب سب چین کی بنسری بجاتے تھے۔ قباد بڑا بہادر اور انصاف کرنے والا بادشاہ تھا۔ اسے رعایا کی بہتری اور آرام کی ہر وقت فکر رہتی۔ یہی وجہ تھی کہ سب اس سے خوش تھے اور اس کی سلامتی اور لمبی عمر کی دعائیں مانگا کرتے۔

قباد کے چالیس وزیر تھے۔ وزیرِ اعظم یعنی سب سے بڑے وزیر کا نام القش تھا۔ یہ بہت عقل مند تھا اور بادشاہ حکومت کے کام اسی کے مشورے سے

کرتا تھا۔ وزیروں کے علاوہ بادشاہ کے دربار میں سات سو عالم اور سات سو نجومی بھی تھے۔

یہ لوگ بادشاہ کو دانائی کی باتیں بتاتے تھے۔ ان دنوں شہر مدائن میں حضرت دانیال علیہ السّلام کی اولاد میں سے ایک نہایت نیک اور سیدھا سادا شخص بھی رہتا تھا۔ اس کا نام خواجہ بخت جمال تھا۔ وہ نجوم میں اس قدر ماہر تھا کہ لوگ دور دور سے اس کے پاس اپنی قسمت کا حال معلوم کرنے کے لیے آتے تھے۔ بخت جمال جو کُچھ بتاتا وہ سب سچ نکلتا۔ اگر وہ چاہتا تو اپنے اس ہُنر کی بدولت چند روز کے اندر اندر مال دار بن جاتا لیکن وہ لالچی نہ تھا۔ کبھی کسی سے کُچھ نہ مانگتا۔ ہاں، جو کوئی اسے اپنی مرضی سے کُچھ دیتا وہ شُکریے کے ساتھ لے لیتا۔

آہستہ آہستہ خواجہ بخت جمال کے علم کی شہرت وزیر القش کے کانوں تک بھی پہنچی اور اس کے دل میں بخت جمال سے ملنے کی آرزو کروٹیں لینے لگی۔ اس نے اپنے ایک غلام کو بخت جمال کے گھر بھیجا تا کہ وہ اسے اپنے ساتھ محل

میں لے آئے لیکن بخت جمال نے غلام کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور کہا۔ ”اگر وزیر القش مجھ سے ملنا چاہتے ہیں تو انھیں میرے گھر آنا چاہیے۔ مجھے ان سے ملنے کی خواہش نہیں۔ میں ان کے محل میں نہیں جاؤں گا۔“

غلام نے یہی بات القش سے جا کر کہہ دی۔ القش پہلے تو غصّے سے لال پیلا ہوا کہ ایک معمولی آدمی کی یہ جُرأت کہ وہ وزیر کے بلانے پر نہ آئے اور ٹکا سا جواب دے دے۔ لیکن پھر کُچھ سوچ کر وہ خود ہی اس کے ہاں پہنچ گیا۔ بخت جمال نے اس کو بڑی عزّت سے اپنے پاس بٹھایا، خاطر تواضع کی اور کہا:

”جنابِ والا۔ میں ایک غریب آدمی ہوں۔ میرے گھر آپ کا آنا میری خوش نصیبی ہے۔ فرمایئے کہ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“

”ہم نے سنا ہے کہ تمھیں نجوم میں کمال حاصل ہے۔ تم غیب کی باتیں بتاتے ہو۔ کیا ہمیں یہ کمال سکھاؤ گے؟“

یہ سن کر خواجہ بخت جمال چند لمحے چپ رہا پھر کہنے لگا:

”جناب میں کیا اور میر اکمال کیا۔ بزرگوں سے جو کُچھ مجھ تک پہنچا ہے، اسے میں نے اپنے سینے میں محفُوظ رکھا ہے۔ اگر آپ یہ علم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو مجھے کیا انکار ہے۔ لیکن جناب کو اس کے لیے میرے ہی گھر آنا ہو گا۔“

”ہمیں تمہاری یہ شرط منظور ہے۔“ وزیر القش نے کہا اور پھر خواجہ بخت جمال کا امتحان لینے کے لیے اس سے چند باتیں پوچھیں، جن کا اس نے حساب لگا کر ایسا جواب دیا کہ القش حیرت سے اس کا مُنہ تکنے لگا کیوں کہ یہ وہ باتیں تھیں جنہیں خود القش کے سوا دنیا میں کوئی اور شخص نہیں جانتا تھا۔

القش روزانہ بخت جمال کے گھر جاتا اور اس سے علمِ نجوم سیکھتا۔ آہستہ آہستہ ان دونوں میں بہت محبّت ہو گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اگر کسی روز ان کی ملاقات نہ ہوتی تو دونوں بے چین رہتے۔

بخت جمال نے اپنے دوست وزیر القش کو بڑی محنت سے نجوم کی تعلیم دی اور القش سب کُچھ بہت جلد سیکھ گیا۔ اب وہ بھی دوسروں کی قسمت کا حال بتایا کرتا اور اس کی بتائی ہوئی باتیں سچّی نکلتیں۔

ایک روز القش نے اپنے دوست بخت جمال کی تقدیر کا حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ آنے والے چالیس دن بخت جمال کے لیے سخت منحوس ہیں۔ اگر وہ ان چالیس دنوں میں گھر سے باہر نکلا تو اس کی جان کو خطرہ ہے، یہ دیکھ کر وہ سخت پریشان ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے حساب میں غلطی نہیں ہو سکتی۔ وہ اسی وقت بخت جمال کے گھر گیا اور اسے بتایا کہ آئندہ چالیس دن اس کی زندگی میں بھاری گزریں گے۔ ان دنوں میں وہ ہر گز ہر گز گھر سے باہر نہ نکلے۔ یہ سن کر بخت جمال فکر مند ہوا۔ اس نے بھی اپنے بارے میں حساب لگایا تو یہی معلوم ہوا کہ القش سچ کہتا ہے۔

”اب میں جانتا ہوں۔ انشاء اللہ چالیس دن کے بعد ملاقات ہو گی۔“ القش نے کہا۔

”بہت بہتر۔ جو خدا کی مرضی۔“ بخت جمال نے جواب دیا۔

”میں چالیس دن تک گھر ہی میں رہوں گا اور امّید تو یہی ہے کہ میری جان سلامت رہے گی۔ آگے اللہ جانے۔“

القش کے جانے کے بد بخت جمال نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اور آپ ایک گوشے میں بیٹھ کر عبادت کرنے لگا۔

دن ایک ایک کر کے گزرنے لگے۔ یہاں تک کہ اُنتالیسواں دن بھی خیریت سے گزر گیا۔ اب بخت جمال کو اطمینان ہوا کہ منحوس گھڑیاں ٹل گئیں۔ چالیسویں روز وہ صبح سویرے بیدار ہوا۔ نہا کر کپڑے پہنے اور یہ سوچ کر گھر سے نکلا کہ القش سے ملاقات کرنی چاہیئے۔ وہ بے چارہ ہمیشہ میرے گھر آتا رہا ہے اور میں ایک مرتبہ بھی اس کے ہاں نہیں گیا۔ القش سے ملاقات کی خوشی میں وہ یہ بھی بول گیا کہ چالیسواں دن نہیں گزرا ہے اور ابھی آفت کی گھڑی اس کے سر پر کھڑی ہے۔ اس نے حساب لگانے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی اور القش کے محل کی جانب روانہ ہو گیا۔

القش کے محل کی طرف دو راستے جاتے تھے۔ ایک شہر میں سے اور دوسرا دریا کے ساتھ ساتھ۔ بخت جمال نے سوچا کہ شہر کے راستے سے جانا ٹھیک نہیں۔ راہ میں بہت سے لوگ ملیں گے اور طرح طرح کی باتیں پوچھ کر وقت

ضائع کریں گے اس لیے دریا کی طرف سے جانا چاہیے۔ یہ سوچ کہ وہ اسی راستے پر چل پڑا۔ چلتا گیا۔ چلتا گیا۔ یہاں تک کہ دوپہر ہو گئی اور سورج اس کے سر پر چمکنے لگا۔ تب اسے احساس ہوا کہ وہ راستہ بھول کر ایک بیابان میں آ نکلا ہے۔ ہر طرف گہرا سناٹا تھا۔ دور دور تب کوئی آدمی دکھائی دیتا تھا نہ جانور۔ ہاں کُچھ فاصلے پر اسے ایک بہت پرانی لیکن عظیم الشان عمارت کے بھیانک کھنڈر ضرور دکھائی دیے۔

تھوڑی دیر سستانے کے لئے بخت جمال انہی کھنڈروں کی جانب چلا۔ وہ اصل میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ کھنڈر کس عمارت کے ہیں اور ہو سکتا ہے کوئی آدمی ان میں رہتا بھی ہو۔

جب وہ اس پرانی حویلی کے کھنڈروں میں داخل ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ عمارت ہزاروں برس پرانی ہے کیونکہ اس کی اینٹیں کالی اور بوسیدہ ہو چکی تھیں۔ دیواروں پر سے جگہ جگہ مسالا جھڑ چکا تھا۔ کھنڈروں کے اندر بڑے بڑے کمرے اور کوٹھڑیاں نظر آئیں جن کے اندر اندھیرا تھا اور دیواروں پر

مکڑیوں نے بے شمار جالے تَن رکھّے تھے۔ چھتوں پر ہزارہا چمگادڑیں بھی اُلٹی لٹکی ہوئی تھیں۔ بخت جمال یہ منظر دیکھ کر کسی قدر خوف زدہ ہوا لیکن تھکا ہوا ہونے کی وجہ سے کُچھ دیر آرام کرنا بھی چاہتا تھا۔ اس لیے ایک بند دروازے کے ساتھ پیٹھ لگا کر بیٹھ گیا۔

یکایک اس کی نِگاہ دروانے میں لگے ہوئے تالے پر پڑی۔ تالا بہت بڑا تھا۔ لیکن اسے زنگ کھا چکا تھا۔ بخت جمال نے بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھایا کر تالے کو چھوا اور ذرا زور لگایا تو وہ ٹوٹ گیا۔ تالا توڑنے کے بعد اس نے دروازے کو دھکا دے کر کھول دیا۔ ہلکے سے شور کے ساتھ دیمک لگی ہوئی لکڑی کا یہ بھاری دروازہ کھُل گیا۔ اس نے جھانک کر دیکھا تو ایک تہہ خانہ سا نظر آیا جس میں اُترنے کے لیے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔

وہ سوچنے لگا خدا معلوم اس تہہ خانے میں کیا ہے۔ دیکھنا تو چاہیے۔ دھڑکتے ہوئے دل سے وہ آہستہ آہستہ اس تاریک تہہ خانے میں اترنے لگا۔ اب اس نے اپنے آپ کو ایک لمبے چوڑے ہال کمرے میں پایا جس کی چھت کو اونچے

ستونوں نے سہارا دے رکھا تھا۔ یہاں ہر طرف گرد و غبار جما ہوا تھا۔ ایک عجیب قسم کی بدبُو پھیلی ہوئی تھی۔ ہال کے ایک گوشے میں کُچھ چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ اُدھر گیا۔ یہ لوہے کے بڑے بڑے صندوق تھے۔ اور ان سب میں تالے لگے تھے۔ لیکن انہیں بھی زنگ کھا چکا تھا۔ اس لیے بخت جمال کے لیے قفل کھولنا کُچھ دشوار نہ تھا۔ چند منٹ کے اندر اندر اس نے سارے قفل توڑ ڈالے۔

اس نے جونہی پہلے صندوق کا ڈھکنا اٹھایا تو مارے حیرت کے اس کا جسم سُن ہو گیا۔ اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آتا تھا۔ یہ صندوق جواہرات سے لبالب بھرا ہوا تھا۔ بخت جمال نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے دوسرا صندوق کھولا۔ اس میں بھی ہیرے، اشرفیاں اور سونے کے زیور بھرے ہوئے تھے۔ اب اس نے صندوقوں کو گنا۔ ان کی تعداد سات تھی اور سب کے اندر بے شمار دولت تھی۔

اس خزانے کو پا کر خواجہ بخت جمال کے ہوش اُڑ گئے۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آخر یہ خزانہ اب تک لوگوں کی نظروں سے اوجھل کیوں رہا۔ وہ اتنا بدحواس ہو چکا تھا کہ اپنے علم کے ذریعے بھی اس راز کا حل پانے میں ناکام رہا۔ آخر اس نے فیصلہ کیا کہ وزیر القش کو اس کے بارے میں بتانا چاہیے۔ یہ دولت میرے کس کام کی۔ میں اسے القش کو دے دوں گا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے باہر نکلا۔ تہہ خانے کا دروازہ بند کیا اور کھنڈروں سے باہر آ گیا۔ سورج اب بھی آسمان سے آگ برسا رہا تھا۔ لیکن خواجہ بخت جمال کو اس کی کوئی پروانہ تھی۔ خرانہ پالینے کی خوشی میں وہ دوڑتا ہوا شہر کی طرف گیا اور پھر وہاں سے القش وزیر کے محل کا راستہ لیا۔

القش کو جب اس کے خادم نے بتایا کہ خواجہ بخت جمال ملاقات کے لیے آیا ہے تو وہ بڑا حیران ہوا۔ اس کے حساب سے ابھی چالیسواں دن پورا نہیں گزرا تھا اور خواجہ بخت جمال کی جان سورج غروب ہونے تک خطرے میں تھی۔ وہ جلدی سے محل کے دروانے پر آیا۔ اس بڑی عزّت سے اپنے ساتھ اندر

لے گیا اور کہنے لگا:

”خواجہ صاحب، آپ نے کیوں تکلیف کی۔ میں تو خود مغرب کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کر رہا تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ آج چالیسواں دن ہے۔“

”ہاں بھئی، آج چالیسواں دن ہے اور انتالیس دنوں کی طرح یہ دن بھی خیریت سے گزر جائے گا۔ لیکن تعجّب ہے کہ چالیسواں دن میری زندگی کا سب سے مبارک دن ثابت ہوا۔“خواجہ نے کہا۔

”وہ کیسے؟“ القش نے پوچھا۔

اور تب خواجہ بخت جمال نے خزانہ ملنے کا تمام واقعہ القش کو سُنایا اور آخر میں بولا:

”یہ خزانہ آپ ہی کو مبارک ہو۔ میں بھلا اتنی دولت کا کیا کروں گا۔ ہاں، اگر آپ کا جی چاہے تو اس میں سے کُچھ مجھ کو بھی دے دیجئے گا۔ میرے لیے وہی

بہت ہو گا۔"

القش نے جلدی سے دو گھوڑے منگوائے۔ ایک پر خُود سوار ہوا اور دوسرے پر خواجہ بخت جمال کو سوار کر دیا۔ پھر دریا کو جانے والی سڑک پر گھوڑا ڈال دیا۔

اسی پرانی عمارت کے کھنڈروں کے نزدیک جا کر گھوڑوں سے اُترے اور سیدھے تہہ خانے میں گئے۔ بخت جمال نے ساتوں صندوق باری باری کھول کر القش کو دکھائے۔ جواہرات کا خزانہ دیکھ کر القش کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی اور اب اس کے دِل میں بے ایمانی آئی۔ اس نے سوچا ایسا نہ ہو کہ بخت جمال کسی اور سے ذکر کر دے، پھر یہ بات بادشاہ تک پہنچ جائے، ایسا ہوا تو اس خزانے پر بادشاہ قبضہ کرے گا اور میرے ہاتھ کُچھ نہ آئے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ بخت جمال کا کام تمام کر دیا جائے تا کہ خزانے کا راز کسی اور پر ظاہر نہ ہو سکے۔

یہ سوچ کر القش نے بخت جمال کو پکڑ کر زمین پر گرا دیا اور آپ اس کے سینے

پہ چڑھ بیٹھا۔ بخت جمال اپنے دوست کی اس حرکت پر سخت حیران ہوا اور کہنے لگا:

"اے القش۔ یہ کیا بات ہے؟ کیا مجھ سے کوئی خطا ہوتی ہے۔"

"ہاں۔ تو نے بہت بڑی خطا کی ہے۔" القش نے کہا اور کمر سے بندھا ہوا چمکدار خنجر نکال لیا۔

"تیری خطا یہ ہے کہ تو نے اس خزانے کا ذکر مجھ سے کیا اور اب میں ڈرتا ہوں کہ اگر تو نے اس کا پتا کسی اور کو بتا دیا تو بات بادشاہ قباد کامران تک پہنچے گی اور بادشاہ اس پر قبضہ کرے گا۔ تیری زبان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کرنے کی صورت یہی ہے کہ تجھے موت کے گھاٹ اتار دوں۔"

یہ سن کر خواجہ بخت جمال کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ وہ عاجزی سے کہنے لگا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس خزانے کے بارے میں کسی سے ذکر نہ کروں گا۔"

القش نے قہقہہ لگایا اور بولا "بکواس بند کر بُڈھے۔ اپنی جان بچانے کے لیے قسمیں کھا رہا ہے۔ مجھے تیری قسم کا کوئی بھروسا نہیں۔ تجھے اب مرنا ہے۔ تیار ہو جا۔"

خواجہ بخت جمال نے بہتیری خوشامد کی مگر بے رحم القش کو ذرا ترس نہ آیا۔ اس کے سر پر شیطان سوار تھا اور دولت کی چمک دمک نے اسے اندھا کر دیا تھا۔

جب خواجہ نے دیکھا کہ جان بچنے کی کوئی صورت نہیں اور یہ ظالم اس کا خون بہائے بغیر باز نہیں آئے گا تو اس نے کہا "میری ایک وصّیت ہے اگر اسے پورا کرنے کا وعدہ کرو تو بیان کروں؟"

"بتاؤ۔ کیا ہے وہ وصّیت؟" القش نے کہا۔

"میرے گھر میں عنقریب بچّہ ہونے والا ہے۔"

خواجہ بخت جمال نے کہا۔ "اگر لڑکا پیدا ہوا تو میری بیوی سے کہنا کہ اس کا نام

بُزرج مِہر رکھے۔ میرے مرنے کی خبر میری بیوی کو نہ دینا۔"

"بہت اچھا۔ میں تمہاری یہ وصّیت پوری کروں گا۔" القش نے کہا اور یہ کہہ کر خواجہ بخت جمال کو مار ڈالا۔ اس کے بعد القش باہر نکلا اور خواجہ بخت جمال کے گھوڑے کو بھی مار ڈالا۔ پھر اس نے گھوڑے اور خواجہ کی لاشیں اسی عمارت کے ایک گوشے میں گھسیٹ کر ڈال دیں۔ دریا پر جا کر ہاتھ پاؤں دھوئے اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر محل کی طرف چلا گیا۔ اسے اب یہ اطمینان تھا کہ کوئی دوسرا اس خزانے پر قبضہ نہیں کر سکے گا۔

محل میں جا کر اس نے غلاموں اور سپاہیوں کو جمع کیا اور رات کی تاریکی میں سارا خزانہ وہاں سے اٹھا کر محل میں لے آیا۔ اس کے بعد اس نے ملک کے بہترین راجوں کو بلایا اور اس پرانی عمارت کو گرا کر اس کی جگہ ایک نئی عمارت اور باغ بنانے کا حکم دیا۔ ہزار ہا راج، بڑھئی، لوہار اور باغبان دن رات کام کرنے لگے اور چند مہینوں کے اندر اندر انھوں نے دریا کے کنارے ایک عالی شان محل بنا کر کھڑا کر دیا۔ القش محل اور اس کے باغ کو دیکھ کر بے حد خوش

ہوا اور اس کا نام "باغِ بے داد" رکھا۔

اس عرصے میں اس نے خواجہ بخت جمال کی بیوی سے کہہ دیا تھا کہ اس کے شوہر کو ایک ضروری کام کے لیے چین بھیج دیا گیا ہے اور جاتے ہوئے وہ کہہ گیا ہے کہ گھر میں لڑکا پیدا ہو تو اس کا نام بُزرجِ مِہر رکھنا۔ کُچھ دن بعد خواجہ بخت جمال کے گھر ایک چاند سے لڑکے نے جنم لیا تو اس کی ماں نے اس کا نام بُزرجِ مِہر رکھا۔

عجیب لڑکا

بزرج مہر جب پیدا ہوا تو اس کی ماں خواجہ بخت جہاں کو یاد کر کے بہت روئی۔ عرصے سے اس کی خیر خبر معلوم نہیں ہوئی تھی۔ اور نہ ہی وزیر القش نے اس بارے میں اور کُچھ بتایا تھا۔ بدنصیب عورت کئی مرتبہ وزیر کے محل کی طرف گئی مگر غلاموں اور دربانوں نے اسے دھکّے دے کر نکال دیا۔ وہ دُکھیا قسمت پر صبر شکر کر کے گھر میں بیٹھ گئی اور محنت مزدوری کر کے اپنا اور اپنے بیٹے کا پیٹ پالنے لگی۔

ننھا بزرج مہر جتنا خوبصورت تھا اتنا عقل مند بھی تھا۔ ایسی ایسی باتیں کرتا

جنہیں سن کے بڑے بوڑھے دانتوں میں انگلیاں دبا لیتے۔ جب وہ پانچ برس کا ہوا تو اس کی ماں اسے لے کر اپنے محلے کے ایک اُستاد کے پاس گئی۔ اس اُستاد کے پاس محلّے بھر کے بچّے پڑھنے آتے تھے۔ ایک زمانے میں بزرجمہر کے باپ خواجہ بخت جمال نے اس اُستاد کو بڑھایا تھا اور یہ بات بزرجمہر کی ماں کو معلوم تھی۔ اس نے اُستاد سے کہا۔ یہ تمہارے اُستاد کا بیٹا ہے۔ تمہارے اُستاد کو وزیر القش نے کسی کام سے چین بھیجا ہے۔ وہ ابھی تک لوٹ کر نہیں آیا۔ اگر وہ ہوتا تو اپنے بیٹے کو خود پڑھاتا۔ مگر اب تم یہ فرض ادا کرو۔

اُستاد نیک آدمی تھا اس نے بزرجمہر کو پیار کیا اور کہا کہ میں اسے محبت اور شوق سے پڑھاؤں گا۔ اس کے بعد بزرجمہر روزانہ اُستاد کے پاس پڑھنے کے لیے جانے لگا اور چند روز کے اندر اندر تمام بچّوں سے آگے نکل گیا۔ جو بچّے ایک سبق دو دِن میں یاد کرتے، اسی سبق کو بزرجمہر ایک گھنٹے میں یاد کر لیتا تھا۔ ابھی وہ دس برس ہی کا تھا کہ اس نے کئی علم اور فن سیکھ لیے اور ان میں اب ماہر ہو گیا۔

ایک روز شام کو بزرج مہر چھٹی کے بعد گھر گیا تو اس کی ماں بستر پر لیٹی تھی۔ اس نے پوچھا "امّاں لیٹی کیوں ہو؟"

"مجھے بخار ہو گیا ہے بیٹا۔" ماں نے کہا۔

"آج تم بھوکے ہی سوٗ گے بیٹا۔ میں مزدوری نہیں کر سکی۔ اس لیے کھانے کے لیے گھر میں کُچھ نہیں ہے۔"

یہ سن کر بزرج مہر بے حد فکر مند ہوا۔

اپنی بھوک سے زیادہ اسے ماں کی بیماری کا دُکھ تھا۔ وہ کہنے لگا: "امّاں، کیا گھر میں کوئی چیز ایسی نہیں جسے بازار میں بیچ آؤں اور کُچھ رقم مل جائے؟"

"نہیں بیٹا۔ اب ایسی کوئی چیز باقی نہیں رہی جو بازار میں بِک سکے۔ پہلے ہی تمام چیزیں ایک ایک کر کے بِک چکی ہیں۔ ہاں، طاق کے اوپر تمہارے نانا، حکیم حاماس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک بہت پُرانی کتاب پڑی ہے۔ کوشش کرو۔ شاید یہ کتاب کوئی خرید لے۔"

بزرج مِہر نے طاق میں جھانکا تو کونے میں ایک موٹی سی کتاب پڑی دیکھی، جس پر موٹے حروف میں لکھا تھا: ”حاماس نامہ۔۔۔۔ تصنیف حاماس۔ جو شخص اس کتاب کو غور سے پڑھے گا اور سمجھے گا اس پر اگلی پچھلی تمام باتیں ظاہر ہو جائیں گی۔“

کتاب بے حد پرانی تھی اور اس کے ورق نہایت بوسیدہ تھے۔ کہیں کہیں الفاظ بھی دھندلے پڑ گئے تھے۔ بزرج مہر یہ کتاب دیکھ کر اسے پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ چِلاّ چِلاّ کر رونے لگا مگر ساتھ ساتھ کتاب بھی پڑھتا جاتا تھا، پھر یکایک وہ ہنسا اور قہقہے لگانے لگا۔ بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر ماں اپنی بیماری بھول گئی اور کہنے لگی ”کتاب پڑھ کر کہیں تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا؟ ابھی تم دہاڑیں مار مار کر رو رہے تھے اور اب قہقہے لگا رہے ہو۔“

بزرج مہر نے کتاب بند کر دی اور ماں سے کہا: ”یہ عجیب و غریب کتاب ہے۔ اسے پڑھ کر مجھے پتہ چل گیا ہے کہ ایک ظالم شخص نے کس طرح میرے بے گناہ باپ کو ہلاک کیا۔ یہی وجہ تھی کہ میں رویا۔ اور ہنسا یوں کہ میں انشاء

اللہ اس ظالم سے اپنے باپ کے خون کا بدلہ لینے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔"

بزرج مہر کی ماں نے جب یہ سنا کہ خواجہ بخت جمال کو ہلاک کر دیا گیا ہے اور یہ خون وزیر القش نے کیا ہے تو وہ بھی خُوب روئی لیکن بزرج مہر نے اسے دلاسا دیا اور کہا کہ امّاں، اب رنج نہ کرو، میں بہت جلد وزیر سے انتقام لوں گا۔ یہ کتاب بتاتی ہے کہ بادشاہ مجھے اپنا وزیر بنائے گا۔ میرے باپ کا ڈھانچا ابھی تک اسی جگہ موجود ہے جس جگہ القش وزیر نے نیا محل بنوایا ہے۔ اچھّا اب میں بازار جا کر کھانے پینے کی چیزیں لاتا ہوں۔

"لیکن چیزیں خریدنے کے لیے تمہارے پاس پیسے کہاں ہیں؟ کیا کسی سے ادھار لوگے؟"

"نہیں امّاں، ادھار لینا ٹھیک نہیں۔ اس کتاب نے مجھے ایک ایسا طریقہ بتا دیا ہے جس سے میں کھانے پینے کی چیزیں پیسوں کے بغیر ہی لے آیا کروں گا۔ تم فکر نہ کرو۔"

اور اپنی والدہ کو حیران پریشان چھوڑ کر بزرج مہر گھر سے نکلا۔ سیدھا بنئے کی دکان پر گیا اور کہنے لگا "تم مجھے پہچانتے ہو؟"

"ہاں" بنیے نے جواب دیا "تم خواجہ بخت جمال کے لڑکے ہو۔"

وزیر نے میرے بے گناہ باپ کو قتل کر دیا ہے۔ بزرج مہر نے کہا "اور میں اپنے باپ کے خون کا بدلہ لوں گا۔"

دکان دار یہ سُن کر حیران ہوا اور کہنے لگا "تم وزیر سے کیسے انتقام لو گے؟ وہ تمہیں بھی مروادے گا۔"

بزرج مہر ہنسا اور بولا۔ "وزیر میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ اچھا، اب تم ایسا کرو کہ روزانہ دو سیر آٹا، ایک سیر شکر، آدھ سیر گھی، پانچ سیر کوئلے میرے گھر بھجوادیا کرو۔"

"لیکن پیسے؟" بنیے نے پوچھا۔

بزرج مہر نے آنکھیں نکال کر بنیے کو گھورا اور کہا "تو مجھ سے پیسے مانگتا ہے؟

میں جانتا ہوں کہ ابھی پچھلے مہینے ایک کسان کئی سو من گیہوں بیچنے کے لیے تیرے پاس لایا تھا اور تو نے اس کو دھوکا دے کر اس کے گیہوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور اگر یہ بات ابھی جا کر بادشاہ کی عدالت میں کہہ دوں تو وہ تیری بوٹیاں چیل کوؤں کو کھلانے کا حکم دے دے گا۔"

بزرج مہر کے منہ سے یہ بات سن کر بنیا تھر تھر کانپنے لگا۔ سچ مچ اس نے پچھلے مہینے ایک کسان کو دھوکے سے لوٹ لیا تھا اور اس کے سارے گیہوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ وہ حیران تھا کہ یہ راز بزرج مہر کو کیسے معلوم ہوا۔ ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا:

"خدا کے لیے یہ بات کسی سے نہ کہنا۔ میں ہر طرح سے تمہاری خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ جتنی چیزیں تم نے کہی ہیں، روزانہ تمہارے گھر بھجوا دیا کروں گا۔"

اب بزرج مہر قصائی کی دکان پر گیا۔ وہ چھُریاں اور کلہاڑے تیز کر رہا تھا۔ بزرج مہر نے اس سے کہا "تم مجھے پہچانتے ہو؟"

”ہاں، خواجہ بخت جمال کے لڑکے ہو۔ کیا کام ہے مجھ سے۔“ قصائی نے سختی سے کہا۔ اس کا خیال تھا کہ لڑکا یا تو گوشت اُدھار لینے آیا ہے یا کُچھ پیسے مانگے گا۔

بزرج مہر نے کہا ”تم روزانہ ایک سیر گوشت میرے گھر بھجوا دیا کرو۔“

”ایک سیر ؟“ قصائی نے حیرت سے کہا۔ ”اور پیسے کون دے گا؟“

بزرج مہر ہنسا اور کہنے کا ”ارے ظالم تو مجھ سے پیسے مانگتا ہے؟ کیا بھول گیا کہ پچھلے ہی مہینے تو نے بکریاں بیچنے والے ایک تاجر سے کئی سو بکریاں خریدی اور جب وہ قیمت لینے کے لیے تیرے مکان میں آیا تُو نے اسے مار کے اپنے مکان کی ایک اندھیری کوٹھڑی میں گاڑ دیا۔ ابھی جا کر بادشاہ سے کہتا ہوں۔“

یہ بات سُن کر قصاب کا تو دم ہی نکل گیا۔ ہونٹ خشک ہو گئے اور چہرہ زرد پڑ گیا۔ وہ حیران تھا کہ اس دس برس کے بچّے کو یہ بات کیسے معلوم ہو گئی۔ اس نے جلدی سے کہا:

”بیٹا مجھے معاف کر دو۔ میں ایک سیر کی بجائے دو سیر گوشت تمہارے گھر بھجوا دیا کروں گا۔ لیکن تاجر کو مار ڈالنے کا قصّہ کسی سے نہ کہنا۔“

یہاں سے بزرج مہر ایک یہودی صراف کے پاس پہنچا جس کے بارے میں سارے محلّے میں مشہور تھا کہ بے حد کنجوس اور بد دماغ آدمی ہے اور اس نے بے انتہا دولت جمع کر رکھی ہے۔ وہ لوگوں کو سود پر قرض دیتا اور دس روپے کی جگہ بیس روپے وصول کرتا تھا۔ بزرج مہر کو دیکھتے ہی وہ کہنے لگا۔

”آؤ خواجہ بخت جمال کے بیٹے، کیا گھر کی کوئی چیز بیچنے کے لیے لائے ہو یا کچھ رقم اُدھار چاہیے؟ لیکن یہ سوچ لو کہ میں سُود دُگنا وصول کرتا ہوں۔“

بزرج مہر نے قہقہہ لگایا اور بولا ”سُن او لالچی بُڈھے، میں نہ کوئی قیمتی چیز بیچنے آیا ہوں اور نہ سُود پر روپیہ لینے۔ اگر تم جان کی سلامتی چاہتے ہو تو روزانہ سو روپے کی تھیلی ہمارے گھر بھجوا دیا کرو۔“

یہودی یہ بات سُن کر غصّہ سے لال پیلا ہو گیا اور اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ

اس بد تمیز لڑکے کو مار پیٹ کر یہاں سے نکال دو۔ مُلازم بزرج مہر کی طرف بڑھ ہی رہے تھے کہ بزرج مہر نے صرّاف کے کان میں کہا:

"کیوں تیری شامت آئی ہے۔ ابھی بادشاہ کی عدالت میں جا کر کہتا ہوں کہ تو نے پچھلے مہینے دو مال دار بیوہ عورتوں کا زیور دھوکے سے چھین لیا تھا۔"

یہ سُن کر یہودی صرّاف غش کھا کر گرا اور اُس کے ملازم بزرج مہر کو چھوڑ کر اپنے آقا کو ہوش میں لانے کی تدبیر کرنے لگے۔ چند لمحے بعد وہ ہوش میں آیا اور برسوں کا بیمار نظر آتا تھا۔ اس نے بزرج مہر کو ایک طرف بُلا کر بڑی عاجزی سے کہا:

"یہ بات بادشاہ سے ہر گز نہ کہنا۔ میں روز ایک سو روپے کی تھیلی تمہارے گھر بھجوا دیا کروں گا۔"

"اگر کسی دن ناغہ کیا تو تمہاری خیر نہیں۔" بزرج مہر نے کہا اور اُچھلتا کودتا اپنے گھر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد بنیے کی دکان سے اس کا نوکر گیہوں، شکر، گھی اور کوئلے لے کر آیا۔ پھر قصائی کا نوکر گوشت دے گیا۔ اس کے بعد صرّاف خود آیا اور ایک سو روپے کی تھیلی دے کر خاموشی سے چلا گیا۔ بزرج مہر کی ماں یہ سامان دیکھ کر حیران تھی۔ کہنے لگی:

"بیٹا یہ کیا معمّہ ہے؟ تم نے یہ سامان کتنے روپے کا خریدا اور رقم کہاں سے آئی؟"

"اماں، بات نہ پوچھو۔" بزرج مہر نے ہنس کر کہا "یہ سب میرے نانا حکیم حاماس کی اسی پرانی کتاب کا کرشمہ ہے۔"

دو سال گزر گئے۔ اس عرصے میں بزرج مہر کھانے پینے کی فکر سے آزاد ہو کر اپنے نانا حکیم حاماس کی لکھی ہوئی کتاب پڑھنے اور سمجھنے میں لگا رہا۔ جوں جوں وہ کتاب کو پڑھتا گیا سینکڑوں اور ہزاروں باتیں اسے معلوم ہوتی چلی گئیں۔ یہاں تک کہ غیب کے علم میں وہ ایسا کامل ہوا کہ راہ چلتے آدمیوں کے دل کی بات بوجھ لیتا اور کبھی ایسا نہ ہوا کہ اس کی زبان سے نکلی ہوئی کوئی بات غلط

ثابت ہوئی ہو۔ لوگ کہتے تھے کہ لڑکا اپنے باپ خواجہ بخت جمال سے بھی زیادہ ذہین اور باکمال ہے۔

ایک روز بزرج مہر کی ماں نے کہا "بیٹا میرا جی میتھی کا ساگ کھانے کو چاہتا ہے۔ لیکن شہر میں میتھی کا ساگ نہیں ملتا۔ میں نے سُنا ہے کہ وزیر القش کے باغِ بے داد میں میتھی کا ساگ موجود ہے۔ کسی کو بھیج کر وہاں سے منگواؤ۔"

وزیر القش کا نام سُن کر بزرج مہر کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ حکیم حاماس کی کتاب نے اسے اپنے بے گناہ باپ کے خون کا بدلہ لینے سے غافل کر دیا تھا۔ اب ماں نے وزیر کا نام لیا تو اس نے کتاب ایک طرف پھینک دی اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کہنے لگا:

"بہت اچھا ماں۔ میتھی کا ساگ لینے میں خود باغِ بے داد جاتا ہوں۔"

جب بزرج مہر باغ کے پاس پہنچا تو اس کا دروازہ بند تھا۔ اس نے باغ بان کو آواز دی۔ تھوڑی دیر بعد ایک موٹا تازہ آدمی دروازے پر آیا۔ کیا دیکھتا ہے

کہ بارہ تیرہ سال کا ایک بھولا بھالا لڑکا کھڑا ہے۔

"کیا بات ہے؟ کیا چاہیے؟" باغبان نے بزرج مہر سے پوچھا۔

"میری ماں کا دل میتھی کا ساگ کھانے کو چاہتا ہے۔" بزرج مہر نے کہا "اور میتھی کا ساگ سوائے اس باغ کے اور کہیں نہیں ہے۔ تمہاری مہربانی ہو گی اگر تھوڑا سا ساگ دے دو۔"

باغبان سخت ناراض ہوا اور کہنے لگا: "صرف اتنی سی بات کے لیے تو نے مجھے آواز دی۔ کیا میں نے کنجڑے کی دکان کھول رکھی ہے جو تجھے ساگ دیتا پھروں، مجھے تیرے بھولپن پر ترس آتا ہے ورنہ اتنا پیٹتا کہ ساری زندگی یاد کرتا۔ جا دفع ہو جا۔"

یہ کہہ کر وہ دروازہ بند کرنے کے لیے آگے بڑھا اور قفل کو ہاتھ لگانا ہی چاہتا تھا کہ بزرج مہر نے چلّا کر کہا "خبردار، قفل بند نہ کرنا، کل تو نے جو سانپ مارا تھا اس کی مادہ تجھے ڈسنے کے لیے اس قُفل کے سوراخ میں چھُپی بیٹھی ہے۔"

یہ سُن کر باغبان حیران رہ گیا۔ اس نے جھک کر قُفل کے سوراخ میں جھانکا تو سچ مچ سیاہ رنگ کے ایک باریک سے دھاگے کی طرح کا ایک سانپ اس میں چھُپا ہوا تھا۔ باغبان نے فوراً اسے ہلاک کیا اور دل میں کہنے لگا کہ یہ لڑکا تو بڑے کمال کا ہے، میں نے خواہ مخواہ اسے بُرا بھلا کہا۔ وہ بزرج مہر سے پوچھنے لگا۔ ”تمہیں کس طرح پتا چلا کہ میں نے کل ایک سانپ مارا تھا اور آج اس کی مادہ میرے ڈسنے کو اس قُفل کے اندر چھُپی بیٹھی ہے؟“

”تمہیں ان باتوں سے کیا۔“ بزرج مہر نے کہا۔ ”میتھی کا ساگ دینا ہے تو دے دو ورنہ میں جاتا ہوں۔“

باغبان عاجزی سے بولا۔ ”تو میرے ساتھ باغ میں چلو۔ میں تمہیں بہت سا ساگ دوں گا۔ لیکن کسی سے ذکر مت کرنا کہ یہ ساگ میں نے تمہیں دیا ہے۔ وزیر القش نے سُن لیا تو میری گردن اڑا دے گا۔“

بزرج مہر ہنسا اور کہنے لگا۔ ”تم القش کی فکر مت کرو۔ اس کی زندگی کے دن بھی تھوڑے ہی رہ گئے ہیں۔“

بزرج مہر جب باغ کے اندر گیا تو اس کی خوبصورتی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ سینکڑوں قسم کے پھول اور پودے یہاں لگے ہوئے تھے۔

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور جا بجا اونچے فوّاروں میں سے دودھ کی مانند سفید پانی اُبل رہا تھا۔ درختوں کی شاخوں پر ہزاروں خوبصورت اور حسین پرندے بیٹھے چہچہا رہے تھے۔ باغ کے بالکل درمیان میں سنگِ مرمر کی بنی ہوئی عالی شان بارہ دری تھی جس کی دیواروں اور فرش پر ہیرے جواہرات جڑے گئے تھے اور ان کی چمک اتنی تھی کہ آنکھ نہیں ٹھیرتی تھی۔

باغبان نے بزرج مہر کر باغ کے اندر الماس کے بنے ہوئے ایک تخت پر بٹھایا اور آپ میتھی کا ساگ توڑنے کے لیے دوسری طرف جانے ہی لگا تھا کہ وزیر القش بھی ٹہلتا ہوا آ نکلا۔ اس نے بزرج مہر کر دیکھا تو باغبان سے پوچھا۔ "یہ کون ہے؟" باغبان نے ہاتھ باندھ کر کہا "حضور یہ لڑکا عجیب و غریب باتیں کرتا ہے جنہیں سُن کر میری عقل تو دھنگ ہے۔" پھر اس نے قُفل میں چھپے ہوئے سانپ کی داستان سُنائی۔

وزیر القش بہت حیران ہوا اور غور سے بزرج مہر کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے باغبان کو وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا اور بزرج مہر کو بارہ دری میں لے گیا۔ تخت پر بیٹھنے کے بعد القش نے بزرج مہر سے پوچھا:

"لڑکے تیرا نام کیا ہے اور تجھے یہ علم کہاں سے حاصل ہوا؟"

"میرا نام بزرج مہر ہے۔ میرے باپ کا نام خواجہ بخت جمال اور نانا کا نام حکیم حاماس تھا۔ میں نے یہ علم اپنے نانا کی ایک کتاب حاماس نامہ سے حاصل کیا ہے۔"

خواجہ بخت جمال کا نام سُن کر القش گھبرایا اور خوف سے کانپ اٹھا لیکن پھر سنبھل کر بولا:

"تیرے باپ کو میں جانتا ہوں۔ وہ بہت نیک اور اچھا آدمی ہے اور اسے میں نے ایک کام سے چین بھیجا ہے۔"

یہ سُن کر بزرج مہر کا رنگ غصّے سے سُرخ ہو گیا۔ کہنے لگا:

”آپ غلط کہتے ہیں۔ میرا باپ اس دنیا میں نہیں ہے۔ اسے ایک ظالم اور سنگ دل شخص نے دولت کے لالچ میں قتل کر دیا ہے۔ اب میں اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینے کی فکر میں ہوں۔“

القش کے ہوش اڑے۔ سمجھ گیا کہ اس لڑکے کو سب کُچھ معلوم ہو چکا ہے اور یہ مجھ سے بدلہ لے گا۔ اس نے دل میں فیصلہ کیا کہ اسے کسی فریب سے ٹھکانے لگا دینا چاہیے۔ کہنے لگا:

”افسوس کہ تمہارے باپ کو کسی نے قتل کر دیا۔ مجھے اب تک یہ بات معلوم نہ تھی۔ خیر تم رنج نہ کرو۔ میں اس پاپی کو اپنے ہاتھ سے سزا دوں گا۔ اب یہ بتاؤ کہ تم اس باغ میں کیسے آئے؟“

”میری ماں نے مجھے میتھی کا تھوڑا سا ساگ لینے بھیجا تھا جو سوائے اس باغ کے شہر میں کہیں اور نہیں ملتا۔“

”اچھا، تم یہیں بیٹھو۔ میں ابھی کسی غلام سے کہتا ہوں کہ تمہارے لیے میتھی کا

ساگ توڑ کر لائے۔"

یہ کہہ کر القش ایک طرف چلا گیا اور اپنے خاص غلام کو تنہائی میں بُلا کر کہنے لگا" ایک لڑکا بارہ دری میں بیٹھا ہے۔ اسے تہہ خانے میں لے جا کر بند کر دو۔ وہ وہاں بھوکا پیاسا مر جائے گا۔ اگر تم نے یہ کام کر دیا تو میں تمہاری دلی آرزو پوری کر دوں گا۔ وعدہ کرتا ہوں۔"

غلام نے سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر سر جھکایا اور بارہ دری کی طرف چل دیا۔ اس نے جاتے ہی بزرج مِہر کو پکڑ لیا۔ ایک ہاتھ سے اس کا گلا دبایا دوسرے ہاتھ سے اس کا منہ بند کیا اور کندھے پر ڈال کر ایک تہہ خانے میں لے گیا۔ وہ بُزرج مِہر کو فرش پر پٹخ کر باہر سے دروازہ بند کرنے ہی لگا تھا کہ بُزرج مِہر نے زور کا قہقہہ لگایا اور کہا" اے حبشی غلام، یہ کیا کرتا ہے؟ القش تیرے دل کی آرزو کبھی پوری نہ کرے گا۔ اس نے تجھ سے جھوٹا وعدہ کیا ہے۔ یاد رکھ۔ اگر تو نے مجھے مارا تو القش تجھے بھی زندہ نہ چھوڑے گا۔"

غلام نے اپنا ہاتھ روک لیا اور حیرت سے بُزرج مِہر کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے

آہستہ سے کہا ”بھلا تجھے کیوں کر پتا چلا کہ القش نے مجھ سے کیا کہا اور میرے دل کی آرزو کیا ہے؟“

بُزرج مِہر نے کہا ”اے حبشی غلام، میں سب کُچھ جانتا ہوں۔ القش مجھے اس لیے مارنا چاہتا ہے کہ وہ میرے باپ کا قاتل ہے اور اسے ڈر ہے کہ کہیں میں اپنے باپ کا بدلہ نہ لوں۔ خیر، ان باتوں کو چھوڑ۔ میں بتاتا ہوں کہ تیرے دل کی آرزو کیا ہے۔ کیا تو القش کی لڑکی سے شادی کرنا نہیں چاہتا؟“

حبشی غلام نے یہ سنتے ہی بُزرج مِہر کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا اور بولا ”ہاں یہی آرزو ہے میری۔“

”میں تیری شادی القش کی بیٹی سے کرا سکتا ہوں، اور وہ وقت جلد ہی آنے والا ہے جب کہ القش کو میری ضرورت پڑے گی لیکن تو اس وقت تک میرا پتا اسے نہ بتانا جب تک وہ تیرے منہ پر تین طمانچے نہ مارے۔“

”لیکن القش نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں اس تہہ خانے میں بند کر دوں۔“

غلام نے کہا۔

"تو اس سے کہہ دینا کہ میں نے اسے بند کر دیا ہے اور وہ وہاں بھوک پیاس سے مر جائے گا۔" بُزرج مِہر نے کہا۔

حبشی غلام نے بُزرج مِہر کو چھوڑ دیا۔ بُزرج مِہر نے اس سے میتھی کا ساگ لیا اور اپنے گھر چلا گیا۔ اس کے بعد غلام القش کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ میں اس لڑکے کو اندھیرے تہہ خانے میں بند کر آیا ہوں۔ القش بے حد خوش ہوا اور دل میں کہنے لگا کہ خواجہ بخت جمال کا لڑکا تو اپنے باپ سے بھی زیادہ باکمال اور ہوشیار نکلا۔ اگر اسے چھوڑ دیا جاتا تو وہ ضرور مجھ سے انتقام لیتا۔

بادشاہ نے خواب دیکھا

جس دن وزیر القش نے بُزرج مہر کو تہہ خانے میں بند کروایا تھا، اسی دن بادشاہ قباد کامران نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا۔ لیکن صبح آنکھ کھلی تو اسے یاد نہ رہا کہ وہ خواب کیا تھا۔ اب تو وہ سارے کام بھُول گیا اور اس کے من میں یہی الجھن بڑھتی گئی کہ آخر وہ خواب کیا تھا۔ اسی ادھیڑ بن میں وہ دربار میں گیا اور شاہی تخت پر آن بیٹھا۔ لیکن اس کا جی کسی بات میں نہ لگتا تھا۔

بادشاہ کو فکر مند دیکھ کر ایک وزیر نے ہاتھ باندھ کر عرض کی "جہاں پناہ،

حضور کے دشمنوں کی طبیعت کُچھ ناساز ہے، کیا شاہی طبیب کو طلب کیا جائے؟"

"نہیں، میری طبیعت ٹھیک ہے۔ہاں ایک بات ایسی ہوئی ہے جس نے مجھے پریشان کر دیاہے۔" بادشاہ نے کہا۔

"وہ کون سی بات ہے عالی جاہ؟ زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایئے۔ ممکن ہے میں اس کا کوئی حل پیش کر سکوں۔" القش نے گردن جھکا کر کہا۔

"بات یہ ہے کہ کل رات ہم نے ایک عجیب خواب دیکھا۔ لیکن جب صبح آنکھ کھلی تو ہم خواب بھول چُکے تھے۔ اس وقت سے طبیعت پریشان ہے۔ خواب کسی طرح یاد نہیں آتا۔ تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو یہ بتائے کہ ہم نے کیاخواب دیکھااور اس کی تعبیر کیاہے؟"

یہ سُن کر دربار میں سناٹا چھا گیااور ہر شخص حیرت سے ایک دوسرے کا مُنہ تکنے لگا۔ کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا جواب دے۔ آخر ایک وزیر نے

عرض کی۔

”جہاں پناہ، یہ بات تو ناممکن ہے کہ آپ کا دیکھا ہوا خواب کوئی اور بتائے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ خواب آپ اپنی زبانِ مبارک سے ارشاد فرمائیں اور اس کی تعبیر ہم میں سے کوئی شخص عرض کر دے۔“

بادشاہ کو یہ جواب سُن کر اس قدر غصّہ آیا۔ اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگے۔ امیر اور وزیر بادشاہ کو اس غضب ناک حالت میں دیکھ کر تھر تھر کانپنے لگے اور انھیں خوف ہوا کہ بادشاہ سب کو سولی پر لٹکا دے گا۔ وہ گھٹنوں کے بل جھکے اور جان کی امان چاہنے لگے۔ لیکن بادشاہ نے گرج کر کہا:

”میں نے سنا ہے کہ سکندرِ اعظم کے دربار میں ایسے ایسے عالی دماغ وزیر تھے کہ اگر بادشاہ خواب بھول جاتا تو وہ یاد دلا دیتے اور اس خواب کی تعبیر بھی بتا دیتے۔ ایک تم لوگ ہو، مجھ سے ہمیشہ مال و دولت حاصل کرتے ہو اور اتنا سا کام نہیں کر سکتے۔ یاد رکھو اگر کسی نے میرا خواب اور اس کی تعبیر بیان نہ کی تو سب کو زمین میں گاڑ کر شکاری کتّے چھڑوا دوں گا۔ جاؤ۔ تمھیں چالیس دن

کی مہلت دیتا ہوں۔ اس عرصے میں معلوم کرو کہ میں نے کیا خواب دیکھا تھا اور اس کی تعبیر کیا ہے۔"

یہ کہہ کر بادشاہ نے دربار برخاست کیا اور اپنے محل میں چلا گیا۔

جب چالیس دن گزر گئے تو بادشاہ نے پھر اپنے وزیروں کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ خواب اور اس کی تعبیر بتائیں۔

کوئی شخص جواب نہ دے سکا۔ سب نے شرم سے گردنیں جھکا لیں۔ آخر بادشاہ نے القش کی طرف دیکھا اور کہا:

"ہمارے تمام وزیروں میں تم سب سے زیادہ دانا اور علمِ نجوم کے ماہر ہو۔ بتاؤ ہم نے کیا خواب دیکھا تھا؟"

القش ہاتھ باندھ کر جھکا اور کہنے لگا:

"حضور میں نے اپنے علم کے ذریعے آپ کا خواب معلوم کر لیا ہے۔ آپ نے دیکھا تھا کہ آسمان سے ایک بہت بڑا پرندہ اُڑتا ہوا آیا، اس نے آپ کو اپنے

پنجوں میں پکڑا اور آگ کے ایک بہت بڑے الاؤ میں ڈال دیا۔ آپ اس کی دہشت سے جاگ اٹھے اور خواب بھول گئے۔۔۔اس کی تعبیر۔۔۔"

یکایک بادشاہ غصّے میں چلایا اور بولا "اے گدھے، اس عقل اور اسی علم پہ ناز کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نجومی ہوں۔ یہ خواب جو تو نے بیان کیا، میں نے ہرگز نہیں دیکھا۔ تُجھے دو دن کی مہلت اور دیتا ہوں۔ اگر دو دن بعد تو نے میرا خواب صحیح صحیح بیان نہ کیا تو تجھ کو آگ میں زندہ جلا دوں گا" یہ کہ کر دربار برخاست کیا اور محل میں چلا گیا۔

بادشاہ کے یہ الفاظ سُن کر القش خوف زدہ ہوا اور اسے یقین ہو گیا کہ اگر بادشاہ کا خواب بیان نہ کیا گیا تو وہ مجھے آگ میں جلا دے گا۔ وہ حیران پریشان اپنے محل میں آیا اور سوچنے لگا کہ اس مصیبت سے کیونکر چھٹکارا ملے، مگر کوئی تدبیر ذہن میں نہ آتی تھی۔

یکایک اسے خواجہ بخت جمال کے لڑکے بُزرج مِہر کا خیال آیا۔ دل میں افسوس کرنے لگا کہ ناحق اس کو مروادیا۔ وہ زندہ ہوتا تو بادشاہ کا خواب ضرور

بتادیا۔ پھر اسے یہ بھی خیال آیا ممکن ہے وہ زندہ ہو اور غلام نے اسے چھوڑ دیا ہو۔ یہ خیال آتے ہی القش نے اپنے حبشی غلام کو طلب کیا جس کا نام بختیار تھا اور اس سے کہنے لگا:

”بہت دن ہوئے، میں نے ایک لڑکا تیرے حوالے کیا تھا اور کہا تھا کہ اس کو تہہ خانے میں بند کر د۔ وہ لڑکا بڑا دانا اور ہوشیار تھا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ تیرے ہاتھ سے بچ کر بھاگ گیا ہو گا۔ اسے ڈھونڈ کر لا۔“

حبشی غلام نے ہاتھ جوڑے اور جواب دیا:

”اے آقا، یہ آپ کیا فرماتے ہیں؟ غلام نے آپ کے حکم کے مطابق اس لڑکے کو تہہ خانے میں بند کر دیا تھا۔ اب تو اس کی ہڈیاں بھی خاک ہو گئی ہوں گی۔“

یہ سُن کر القش کے طیش کی حد نہ رہی۔ اس نے غلام کے مُنہ پر زور سے تین طمانچے مارے اور کہا ”تو جھوٹ بولتا ہے۔ لڑکا زندہ ہے۔ ابھی جا اور اسے

اپنے ساتھ لے کر آ۔"

غلام نے روتے ہوئے کہا "بہت اچھا حضور لڑکا ابھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائے گا۔"

القش ایک دم خوش ہو گیا۔ لیکن حیرت سے کہنے لگا "بد بخت، تو نے یہ بات پہلے ہی کیوں نہ بتادی خواہ مخواہ مجھ سے مار کھائی۔"

غلام نے سر جھکا کر کہا "حضور یہ بات مجھے اسی لڑکے نے بتائی تھی اور ہدایت کی تھی کہ جب تک وزیر القش تیرے منہ پر تین طمانچے نہ مارے، اسے یہ مت بتانا کہ میں زندہ ہوں۔"

بختیار غلام تھوڑی دیر بعد بُزرج مِہر کو ساتھ لے کر القش کے محل میں آیا۔ القش نے اس کی بہت خاطر تواضع کی اور اپنے قصور کی معافی بھی مانگی۔ پھر کہنے لگا:

"بیٹا میں نے تجھے اس لیے بلایا ہے کہ بادشاہ ایک خواب دیکھ کر بھول گیا ہے،

اگر اس کا خواب نہ بتایا گیا تو وہ سارے درباریوں کو آگ میں جلا دے گا۔ اب ہماری جانیں تیرے اختیار میں ہیں۔ تو اپنے علم کے ذریعے بتا کہ وہ خواب کیا تھا اور اس کی تعبیر کیا ہے؟"

بُزرج مِہر ہنس پڑا اور بولا "اے القش، کسی کی جان لینا یا بچانا میرے اختیار میں ہے نہ بادشاہ کے یہ للہ کے اختیار میں ہے۔ خیر، آپ صبح بادشاہ کے دربار میں جایئے اور کہئے کہ میرا ایک شاگرد ہے۔ اجازت ہو تو وہ آپ کا خواب اور اس کی تعبیر دربار میں آکر عرض کرے۔ اگر بادشاہ اجازت دے دے تو کسی آدمی کو میرے گھر بھیج دینا۔ میں آکر سب معاملہ سنبھال لوں گا۔ اب مجھے گھر جانے دیجیۓ۔" یہ کہہ کر وہ اپنے گھر چلا آیا۔

اگلے روز مُنہ اندھیرے القش بادشاہ کے محل میں گیا اور اس سے کہا "حضور میرا ایک شاگرد ہے۔ اجازت ہو تو دربار میں آکر آپ کا خواب اور اس کی تعبیر بیان کرے۔"

بادشاہ حیران ہوا اور کہنے لگا "تم اُستاد ہو کر خواب بیان نہیں کر سکتے اور تمہارا

شاگرد بیان کرے گا۔ لعنت ہے ایسی استادی پر۔"

"حضور میں بھی عرض کر سکتا ہوں مگر درباریوں کا امتحان بھی تو لینا تھا کہ دیکھوں کون یہ خواب بیان کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ سب جاہل اور عقل کے کورے ہیں۔"

"خیر، خیر، تم ابھی کسی آدمی کو بھیجو اور اپنے شاگرد کو بلواؤ۔" بادشاہ نے کہا "اور درباریوں سے کہو کہ وہ بھی حاضر ہوں۔"

القش نے فوراً اپنے غلاموں کو بُزرج مِہر کے گھر دوڑایا۔ اتنی دیر میں بادشاہ تیار ہو کر دربارہ میں پہنچ گیا۔ درباری بھی اپنی اپنی جگہ ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ یکایک القش کے غلام حیران پریشان دربار میں آئے۔ بُزرج مِہر ان کے ساتھ نہیں تھا۔

القش نے غلاموں سے کہا "میرا شاگرد کہاں ہے؟ وہ کیوں نہیں آیا؟"

"جنابِ والا۔ وہ آنے کے لیے تیار ہے لیکن اُسے کوئی سواری پسند نہیں

آتی۔" ایک غلام نے کہا۔ "ہم اس کے لیے سجے سجائے گھوڑے بھی لے گئے اور ہاتی بھی۔ مگر وہ کہتا ہے کہ میں ان جانوروں پر بیٹھ کر نہیں آ سکتا۔"

یہ سُن کر القش کا رنگ غصّے سے سرخ ہو گیا۔ کہنے لگا "پھر اس کے لیے کون سی سواری بھیجی جائے؟"

"جناب۔۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔ کہتا ہے۔۔۔۔ کہ۔۔۔۔۔۔۔" غلام نے ہکلاتے ہوئے کُچھ کہنا چاہا۔

"کہو کہو۔ کیا کہتا ہے وہ؟" بادشاہ نے غلام سے کہا۔

"جہاں پناہ۔ وہ کہتا ہے کہ میرے لائق دنیا میں صرف ایک ہی سواری ہے اور وہ ہے وزیر القش۔ اس کی پیٹھ پر زین کسوا کے بھیج دیں تو آ جاؤں گا۔"

بادشاہ نے قہقہہ لگایا اور اپنے بادشاہ کو ہنستے دیکھ کر سب درباری بھی ہنسے۔ القش کے غصّے کی انتہا نہ رہی لیکن کر ہی کیا سکتا تھا۔

بادشاہ نے القش کی طرف دیکھ کر کہا "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اپنے اس

شاگرد کو کوئی تکلیف پہنچائی ہے جس کا بدلہ وہ تم سے لینا چاہتا ہے۔"

"جہاں پناہ، میں نے اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچائی۔ نہ معلوم وہ مجھے بے عزّت کرنے پر کیوں تُل گیا ہے۔"

"خیر، ہم حکم دیتے ہیں کہ القش کی پیٹھ پر زین کسی جائے تاکہ اس کا شاگرد اپنی پسندیدہ سواری پر بیٹھ کر ہمارے دربار میں آسکے۔" بادشاہ نے غلاموں کو حکم دیا۔

القش چیختا چلّاتا اور منت سماجت کرتا رہا۔ کسی نے ایک نہ سنی اور اس کی پیٹھ پر زین کس کر بُزرجِ مہر کے گھر کی طرف لے چلے۔ لوگوں نے وزیر القش کو اس عجیب حال میں دیکھا تو پیچھے پیچھے چل پڑے اور بُزرجِ مہر کے گھر پہنچا تو ہزاروں تماشائی غُل غپاڑہ کرتے ہوئے ساتھ تھے۔

بُزرجِ مہر القش کو اس حال میں دیکھ کر خوش ہوا۔ ہاتھ میں کوڑا سنبھالا اور اس کی پیٹھ پر مار کر بولا "اے لوگو! گواہ رہو کہ آج میں نے اپنے باپ کے قاتل

کو پکڑ لیا ہے۔"

یہ کہہ کر ایک کوڑا القش کی ٹانگوں پر مارا اور کہا "چل بادشاہ کے دربار میں۔"

غرض بُزرج مِہر اسی طرح دربار میں آیا اور اُس نے القش کی پیٹھ سے اُتر کر بادشاہ کو سلام کیا۔ بادشاہ نے اسے اپنے قریب ہی ایک کرسی پر بٹھایا اور پھر اس سے پوچھا:

"اے لڑکے، یہ بتا کہ القش نے تیرے ساتھ کیا برائی کی جو تو نے اس سے یہ سلوک کیا؟"

"جہاں پناہ! اس نے میرے بے گناہ باپ خواجہ بخت جمال کو ہلاک کیا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ اس سے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لوں۔"

"حضور یہ غلط کہتا ہے۔" القش چلایا "میں نے اس کے باپ کو قتل نہیں کیا بلکہ ایک کام سے چین بھیجا ہے۔"

”جہاں پناہ میرے باپ کی لاش کا ڈھانچا اور اس نے گھوڑے کی لاش کا ڈھانچا القش کے بنائے ہوئے باغِ بے داد میں موجود ہے۔ آپ اجازت دیں تو میں ان ڈھانچوں کو وہاں سے نکال کر لا سکتا ہوں۔“

بادشاہ یہ قصّہ سُن کر سخت پریشان ہوا۔ کبھی بُزرج مِہر کی طرف دیکھتا، کبھی القش کی طرف۔ آخر اس نے کہا کہ ”میں اس واقعہ کی چھان بین کروں گا اور اگر تمہارا الزام درست نکلا تو القش کو سزا دی جائے گی۔ لیکن اس سے پہلے تم وہ خواب بیان کرو جو میں نے دیکھا تھا۔“

”بہت بہتر عالی جاہ۔“ بُزرج مِہر نے ہاتھ باندھ کر ادب سے کہا۔ پھر چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا۔

”حضور آپ نے خواب میں دیکھا کہ مشرق کی جانب سے ایک بہت بڑا عقاب آیا۔ اس کی چونچ میں انگوروں کا ایک خوشہ تھا جس میں سات دانے لگے تھے۔ عقاب نے یہ خوشہ آپ کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ آپ یہ انگور کھانا ہی چاہتے تھے کہ مغرب کی طرف سے سیاہ رب کا ایک بد صورت کوّا آیا اور آپ

کے ہاتھ سے انگوروں کا خوشہ چھین کر اُڑ گیا۔"

"واہ وا۔ سبحان للہ۔ یہی خواب میں نے دیکھا تھا۔" بادشاہ خوشی سے چیخ اُٹھا "اے لڑکے تجھ پر آفرین ہے۔ اب اس کی تعبیر بھی بیان کر۔"

"جہاں پناہ، خواب کی تعبیر آپ کے سامنے موجود ہے۔" بُزرجِ مہر نے القش کی طرف اشارہ کیا۔ "اس شخص نے حضور کی امانت میں خیانت کی ہے۔ اسے جواہرات سے بھرے ہوئے ساتھ صندوق میرے باپ خواجہ بخت جمال نے دکھائے تھے، اس کی نیّت بدل گئی۔ اس نے راز کھل جانے کے خوف سے میرے باپ کو قتل کیا، پھر اس کے گھوڑے کو مارا۔ پھر جواہرات سے بھرے ہوئے وہ ساتوں صندوق اپنے محل میں اٹھا لایا۔ ابھی چل کر اس کے محل کی تلاشی لیجیے۔ یہی آپ کے خواب کی تعبیر ہے۔"

بادشاہ کے حکم سے القش کو فوراً گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے محل کی تلاشی لی گئی تو جواہرات کے ساتویں صندوق برآمد ہو گئے۔ اس کے بعد باغِ بے داد کا ایک حصّہ کھودا گیا تو وہاں سے ایک انسانی ڈھانچا اور گھوڑے کی ہڈیاں بھی نکلیں۔

اب تو بادشاہ سخت جلال میں آیا۔ القش نے اپنے جرم کا اقرار کیا، اور معافی مانگنے لگا۔ بادشاہ نہ مانا۔ کہنے لگا:

”یہ میرے انصاف کے خلاف ہے کہ تجھ جیسے نمک حرام شخص کو زندہ چھوڑوں۔ سپاہیو، پکڑلو اسے اور زمین میں آدھا گاڑ کر اس پر شکاری کتّے چھوڑ دو۔“

اس حیرت انگیز واقعے سے بادشاہ بُزرج مِہر کے علم کا قائل ہو گیا اور بولا۔ ”جو تمہاری خواہش ہو بتاؤ۔ ہم اسے پورا کریں گے۔ مال و دولت کی ضرورت ہے تو جتنا اُٹھا سکتے ہو اٹھالو۔ عالی شان محلوں میں رہنا چاہتے ہے تو جو محل پسند ہو، بتاؤ۔ تمہیں دے دیا جائے گا۔“

بُزرج مِہر نے عرض کی ”جہاں پناہ کا اقبال بُلند ہو۔ مجھے ان میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں صرف ایک حقیر سی درخواست ہے۔ مجھے یقین ہے کہ حضور اسے ضرور پورا کریں گے۔“

”بیان کرو۔“ بادشاہ نے کہا۔

”میں چاہتا ہوں حبشی غلام بختیار کی شادی القش کی بیٹی سے کر دی جائے۔“

بادشاہ یہ سُن کر حیران ہوا، کہنے لگا”یہ تو بہت معمولی بات ہے۔ القش کی بیوی کو حاضر کیا جائے۔“

فوراً ہی القش کی بیوی حاضر ہو گئی۔ بادشاہ نے اس سے کہا۔ ”ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ آج ہی اپنی بیٹی کی شادی بختیار غلام سے کر دو، کیا تمہیں یہ رشتہ منظور ہے؟“

”منظور ہے عالی جاہ۔“ القش کی بیوی نے کہا۔

اور اسی وقت بختیار غلام کی شادی القش کی بیٹی سے ہو گئی۔ بُزرج مِہر نے بادشاہ سے سفارش کر کے وہ محل بھی بختیار اور اس کی بیوی کو دلوا دیا جو القش کے قبضے میں تھا۔ اس کے علاوہ بُزرج مِہر نے بختیار سے وعدہ لیا کہ اگر تمہارے گھر لڑکا پیدا ہوا تو میں اُسے خُود تعلیم دوں گا اور بادشاہ کا وزیر بنوا

دوں گا۔

اب بُزرج مِہر نے بادشاہ سے گھر جانے کی اجازت طلب کی مگر بادشاہ ایک عجیب فیصلہ کر چکا تھا۔ اس نے کہا:

”اے لڑکے، تو عُمر میں ابھی بہت چھوٹا ہے۔ لیکن علم اور دانائی میں میرے سب درباریوں سے بڑھا ہوا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تجھے ان سب درباریوں اور وزیروں کا سردار بناؤں۔“

بُزرج مِہر نے ادب سے گردن جھکا دی۔

بادشاہ نے اسی وقت وزارت کا قلم دان اس کے حوالے کیا اور اسے کرسی پر بیٹھنے کی اجازت دی جس پر پہلے القش بیٹھا کرتا تھا۔

خوش نصیب لکڑ ہارا

بُزرج مِہر نے اپنی دانائی اور اچھّی اچھّی باتوں سے بادشاہ قباد کامران کا دل جیت لیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ بادشاہ کو بُزرج مِہر کی تھوڑی سی دیر کی جدائی بھی پسند نہ تھی۔ سلطنت کے کاموں کی دیکھ بھال بھی بادشاہ نے بُزرج مِہر ہی کے سپرد کر دی تھی اور مقدموں کے فیصلے بھی بُزرج مِہر ہی کرتا تھا کہ اس کا انصاف ایسا تھا کہ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملتا تھا اور رعایا اس سے خوش تھی۔

ایک روز بادشاہ نے شکار پر جانے کا ارادہ کیا اور اپنا لاؤ لشکر لے کر ایک گھنے

جنگل کی طرف نکل گیا۔ بُزرج مِہر بھی بادشاہ کے ساتھ تھا۔ انہی دنوں بادشاہ کے محل میں ایک لونڈی آئی تھی جس کا نام دل آرام تھا۔ یہ نہایت ذہین اور حسین لڑکی تھی اور گانے بجانے میں ایسی بے مثال تھی کہ بادشاہ اس کے سوا کسی اور کا گانا سننا پسند نہ کرتا تھا سفر میں وہ بھی ساتھ تھی۔

شکار کھیلتے ہوئے ایک دوپہر کو بادشاہ بُزرج مِہر اور دل آرام ایک دریا کے کنارے اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔ اس وقت جنگل میں ایک بوڑھا لکڑہارا اپنے سر پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے گزرا۔ وہ اتنا کمزور تھا کہ کئی بار گرا اور کئی بار اُٹھا۔ بادشاہ کو اس کی یہ حالت دیکھ کر ترس آیا، اشارے سے اپنے قریب بلایا اور پوچھا:

"اے لکڑہارے، تیرا کیا نام ہے؟"

"قباد کامران۔" لکڑہارے نے ادب سے جواب دیا۔

"قباد کامران؟" بادشاہ حیرت سے لکڑہارے کی صورت تکنے لگا۔ پھر بُزرج

مِہر سے کہا:

"یہ عجب ماجرا ہے۔ میرا نام بھی قباد کامران ہے اور اس لکڑہارے کا بھی۔ لیکن میں اتنی بڑی سلطنت کا بادشاہ ہوں اور میرے پاس اتنا مال و دولت ہے جس کا کوئی حساب نہیں اور ایک یہ شخص ہے کہ کمزوری اور ناتوانی کے باعث دس قدم نہیں چلتا کہ گِر پڑتا ہے۔ اس کے مقدر ہی میں جنگل سے لکڑیاں کاٹنا اور سر پر بوجھ اٹھانا لکھ دیا گیا ہے۔ بُزرج مِہر تمہارے ذہن میں اس کی کوئی وجہ ہے تو بیان کرو۔"

"جہاں پناہ، آپ نے صحیح فرمایا۔ یہ اپنے اپنے مقدر کی بات ہے۔ آپ کی تقدیر میں بادشاہت ہے اور اس کی تقدیر میں لکڑیاں کاٹنا اور سر پر بوجھ اٹھانا۔ نام سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"تم نے سچ کہا۔ تقدیر ہی سب کُچھ ہے۔" بادشاہ کہنے لگا اور چاہتا تھا کہ لکڑ ہارے کو کُچھ اشرفیاں دے کہ دل آرام نے کہا "جہاں پناہ جان کی امان پاؤں تو میں بھی کُچھ عرض کر دُوں۔"

”کہو کہو، کیا کہنا چاہتی ہو۔ اجازت ہے“ بادشاہ نے کہا۔

”جہاں پناہ میں مانتی ہوں کہ تقدیر کا لکھا ضرور پورا ہوتا ہے لیکن تقدیر ہی کو الزام دینا ٹھیک نہیں، تدبیر بھی کوئی چیز ہے۔ انسان چاہے تو تقدیر کے ذریعے تقدیر کو بدل سکتا ہے، میرا خیال ہے کہ اس لکڑہارے کی بیوی نہایت بدسلیقہ اور پھوہڑ عورت ہے جس کی وجہ سے اس کی حالت سُدھرنے نہیں پاتی۔“

بادشاہ نہ سُن کے سخت ناراض ہوا اور دل آرام سے کہنے لگا:

”تو نے جو کُچھ کہا اس کی سزا تو یہی تھی کہ اسی وقت تیری گردن اڑا دی جاتی لیکن تو جان کی امان مانگ چکی ہے اس لیے ہم تجھے چھوڑ دیتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں بادشاہت یوں ہی مل گئی ہے۔ اس میں تقدیر کا کوئی دخل نہیں۔ اب تیری سزا یہ ہے کہ شاہی کپڑے اُتار۔ معمولی کپڑے پہن۔ ہمارا سب زیور واپس کر دے اور اسی بوڑھے کنگال لکڑہارے کے ساتھ چلی جا۔ ہم بھی دیکھیں کہ تو اپنی تدبیر سے تقدیر کیونکر بدل سکتی ہے۔“

بادشاہ کے حکم کی دیر تھی کہ دل آرام کے تن سے شاہی کپڑے اور زیور اتار کر اسے سُوت کے بنے ہوئے بھدّے اور موٹے کپڑے پہنا دیے گئے۔ بادشاہ اسے جنگل میں چھوڑ کر اپنے لشکر سے جاملا۔

اب بے چاری دل آرام اس ویران اور خوفناک جنگل میں اکیلی رہ گئی لیکن وہ ذرا بھی خوفزدہ نہ ہوئی۔ اسے خدا پر پورا بھروسا تھا کہ وہ اس کی مدد کرے گا۔ وہ جنگل میں حیران اور پریشان کھڑی سوچ رہی تھی کہ کیا کرے اور کدھر جائے کہ اسے لکڑہارے کا خیال آیا۔ اس نے دل میں کہا لکڑہارا زیادہ دور نہیں گیا ہو گیا۔ اب اسی کے ساتھ جانا چاہیے۔ یہ سوچ کر وہ دوڑتی ہوئی اس طرف گئی جدھر وہ لکڑہارا گیا تھا۔ اپنے پیچھے قدموں کی چاپ سن کر لکڑہارا رُکا اور اس نے مُڑ کر دیکھا تو حیران ہوا کہ ایک نوجوان لڑکی بھاگی چلی آتی ہے۔ جب وہ قریب آئی تو لکڑہارا پہچان گیا کہ یہ تو وہی لڑکی ہے جو کُچھ دیر پہلے بادشاہ کے ساتھ تھی اور نہایت زرق برق کپڑے اور زیور پہنے ہوئے تھی۔ اب اس پر کیا آفت آئی کہ ایسا گندہ اور پرانا لباس پہن کر میرے پیچھے آئی

ہے۔شاید بادشاہ اس سے ناراض ہو گیا ہے۔

اتنے میں دل آرام قریب آ گئی۔ اس نے لکڑ ہارے سے کہا "بابا! آج سے تو میرا باپ اور میں تیری بیٹی۔ مجھ کو اپنے گھر لے چل۔ ہمیشہ تیری خدمت کروں گی۔"

لکڑ ہارا یہ سُن کر حیران ہوا اور کہنے لگا: "بیٹی میں تجھے اپنے گھر لے تو چلوں مگر میں بہت غریب آدمی ہوں۔ میرا اور میرے بال بچّوں کا گزارہ فاقوں پر ہوتا ہے۔ فاقے کرنا چاہتی ہے تو چلی آ۔"

"بابا: تو فکر نہ کر۔" اس نے کہا "تیرے گھر جو چٹنی روٹی میسّر آئے گی، وہی کھاؤں گی اور اگر تیرے بال بچّے فاقہ کریں گے تو میں بھی کروں گی۔"

یہ سُن کر بوڑھے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ شفقت سے دل آرام کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولا "اچھا بیٹی، میرے ساتھ چل، جو تقدیر میں لکھّا ہے پورا ہو گا۔"

جب لکڑہارا دل آرام کو ساتھ لے کر اپنی جھونپڑی میں پہنچا تو اس کی بد مزاج بیوی شوہر کے ساتھ ایک لڑکی کو دیکھ کر بہت ناراض ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ لکڑہارا اس کو بیوی بنا کر گھر میں لایا ہے لیکن جب دل آرام نے قسم کھا کر اسے بتایا کہ وہ اس بوڑھے کو اپنا باپ سمجھتی ہے تب بڑھیا کو یقین آیا۔ اس نے دل آرام کو اپنے پاس بٹھایا اور بولی، جب تک تمہارا جی چاہے اس گھر میں رہو۔

دل آرام بوڑھے لکڑہارے کی جھونپڑی میں رہنے لگی۔ اس نے دیکھا کہ تو لکڑہارا جتنی لکڑیاں جنگل سے کاٹ کر لاتا ہے، انہیں بازار میں بیچنے کے بعد پکّی پکائی روٹیاں خرید لاتا ہے اور یہ روٹیاں اس کے بال بچّے چھین جھپٹ کر اس طرح کھاتے ہیں کہ کسی کو آدھا ٹکڑا مل گیا اور کسی کو پورا۔ پیٹ کسی کا نہیں بھرتا۔

ایک دن جب لکڑہارا جنگل کی طرف جانے لگا تو دل آرام نے کہا۔ ”بابا، میری ایک بات مانو۔ لکڑیاں بازار میں بیچ کہ پکّی روٹیاں مت لانا بلکہ گیہوں خرید

لانا۔"

"بہت بہتر بیٹی جیسا تو کہتی ہو، وہی کروں گا۔" لکڑہارے نے کہا۔

شام کو لکڑہارا گیہُوں لے کر آیا۔ اس کے پڑوس میں ایک بڑھئی رہتا تھا اور اس کے ہاں ایک چکّی تھی۔ دل آرام نے پڑوس میں جا کر چکّی پر گیہُوں پیسے اور پھر روٹیاں پکا پکا کر لکڑہارے کے بچّوں کو کھلائیں۔ یہ آٹا تین روز تک کام آیا اور سبھوں نے پیٹ بھر کر روٹی کھائی۔ اس نے عرصے میں جتنے پیسے بچّے دل آرام نے لکڑہارے سے ریشم منگوایا، پھر اس ریشم کی باریک اور خُوب صورت ڈور بٹی۔

اس نے تین چار روز میں ریشم کی ایک لمبی سی ڈوری تیار کر کے لکڑہارے کو دی اور کہا کہ اسے بازار میں جا کر بیچو اور جتنے روپے ملیں وہ لا کر مجھے دے دو۔ لکڑہارے نے ایسا ہی کیا۔

روپے لے کر دل آرام نے لکڑہارے سے کہا۔ "بابا، اب تم بازار جاؤ اور ایک

گدھا خرید و۔ لکڑیاں اسی پر لاد کر لایا کرو۔ اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ لکڑیاں بھی زیادہ لا سکو گے اور تمہیں بوجھ بھی نہیں اٹھانا پڑے گا۔"

لکڑہارا یہ سُن کر بے حد خوش ہوا اور اسی وقت ایک گدھا خرید لایا۔

اسی طرح ایک برس گزر گیا۔ دل آرام نے نہ صرف لکڑہارے کے گھر کی شکل صورت بدل دی بلکہ اسے پانچ غلام اور بیس گدھے بھی خرید کر دیے۔ اب وہ سب پیٹ بھر کر کھانا بھی کھانے لگے اور اچھے اچھے کپڑے بھی بازار سے لے آئے۔

ایک روز دل آرام نے لکڑہارے سے کہا: "بابا ایک کام کرو۔ ابھی گرمیوں کا موسم ہے۔ جنگل سے جتنی لکڑیاں کاٹ سکتے ہو خُود بھی کاٹو اور غلاموں سے بھی کٹواؤ۔ پھر پہاڑ کے قریب ایک بڑا غار تلاش کر کے یہ سب لکڑیاں اس میں بھر دو۔ سردیوں میں زیادہ قیمت پر بِکیں گی۔"

لکڑہارا دل آرام کی بات دل و جان سے مانتا تھا۔ اس نے ایسا ہی کیا اور چند روز

کے اندر بہت سی لکڑیاں کاٹ کر غار میں بھر دیں۔

وقت گزرتا گیا۔ آخر سردیوں کا موسم آگیا۔ انھی دِنوں بادشاہ قباد کامران ایک باغی سردار کو سزا دینے کے لیے اپنے لاؤ لشکر سمیت اُدھر سے گزرا۔ رات کے وقت اس کی فوج نے اس پہاڑ کے نزدیک پڑاؤ کیا۔ رات کو ایسی زور کی برف باری ہوئی کہ سپاہی تھر تھر کانپنے لگے اور ان میں سے کئی مر گئے۔ تب بادشاہ نے حکم دیا کہ جنگل میں جاؤ اور لکڑیاں کاٹ لاؤ۔ سپاہی گئے اور ابھی انہوں نے لکڑیاں کاٹنی بھی شروع نہ کی تھیں کہ ایک سپاہی نے وہ غار دیکھ لیا جس میں لکڑہارے نے لکڑیوں کا بڑا ذخیرہ کر رکھا تھا۔ انہوں نے لکڑیاں وہاں سے اٹھانے کے بجائے یہ کیا کہ سارے لاؤ لشکر کو وہیں بلا لیا۔ پھر ان لکڑیوں کو آگ لگا دی اور یُوں سپاہیوں نے اپنی جانیں بچائیں۔ وہ لکڑیاں ایک دن اور ایک رات جلتی رہیں اور تیسرے دن جب آگ ٹھنڈی ہو گئی تو لشکر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

کئی دن بعد لکڑہارا وہاں آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ تمام لکڑیاں جل کر راکھ ہو گئی

ہیں۔ اس نقصان کا اسے اتنا صدمہ ہوا کہ غار کے قریب بیٹھ کر خُوب رویا۔
جب دل کی بھڑاس نکل گئی اور کُچھ سکون ہوا تو راکھ کریدنے لگا۔ اسے معلوم
ہوا کہ راکھ کے نیچے خوبصورت پتھروں کی بُہت سی سِلیں اور ٹکڑے دبے
ہوئے ہیں۔ اس نے کئی سِلیں اور ٹکڑے وہاں سے نکالے اور گدھے پر لاد
کر گھر لے آیا۔ دل آرام نے جب لکڑیوں کے جل کر راکھ ہو جانے کی خبر
سُنی تو اسے بھی بے حد رنج ہوا لیکن اس نے بوڑھے کی ہمت بندھاتے ہوئے
کہا ''بابا فکر نہ کرو، مجھے یقین ہے کہ خدا نے اس میں بھی تمہارے لیے کوئی
بہتری کی ہو گی تم دوبارہ جنگل میں جاؤ اور لکڑیوں کا ایک اور ذخیرہ کرو۔''

''ٹھیک ہے۔'' لکڑہارے نے کہا ''میں تمہارے لیے پتھر کی کئی سِلیں اس غار
سے لایا ہوں۔ نہایت خُوبصورت پتھر ہے۔ اس پر مسالا اچھی طرح پسے گا۔''

یہ کہہ کر اس نے وہ پتھر لا کر دل آرام کے سامنے رکھ دیئے، دل آرام نے
انہیں اٹھا کر ایک کونے میں رکھ دیا اور آپ مُنہ لپیٹ کر ایک طرف لیٹ گئی
اور سوچنے لگی کہ یہ تو بہت بڑا نقصان ہوا لیکن اس میں ضرور کوئی بھلائی ہے

جو آگے چل کر کبھی معلوم ہو گی۔ جب اندھیرا ہوا تو کیا دیکھتی ہے کہ پتھر کی وہ سِلیں چمک رہیں ہیں اور ان سے روشنی کی کرنیں پھُوٹ رہی ہیں۔ آرام بڑی حیران ہوئی۔ اس نے اُٹھ کر کپڑے سے ان سِلوں کو صاف کیا اور چھری سے کھُرچا تو اندر سے چمکدار سنہری رنگ کا سونا نِکلا۔ اب تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ لیکن اس نے کسی سے ذکر نہ کیا اور چُپ ہو رہی۔

اصل میں اس غار میں سونے کی کان تھی۔ لکڑیاں جب جلیں تو آگ کی تپش سے کان کا سونا پگھل کر باہر آ گیا اور آگ بجھنے کے بعد ٹھنڈا ہو کر سِلوں اور بڑے بڑے ڈلوں کی صورت میں جم گیا۔ پھر ڈلوں کے اوپر راکھ اس طرح جمی کہ وہ پتھر نظر آنے لگے۔

صُبح سویرے ہی دل آرام نے لکڑہارے کو جگایا اور اس سے پوچھا:

”بابا، کیا اس غار میں ایسے اور بھی پتھر پڑے ہیں؟“

”ہاں بیٹی۔ کوئی ایک دو پتھر، وہاں تو انبار لگے ہیں۔“

”بس تو فوراً جا کر وہ تمام پتھر جمع کرو اور گدھوں پر لاد کر یہاں لے آؤ۔ یہ پتھر تو بے حد قیمتی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ اچھے داموں بِک جائیں گے۔“

لکڑہارا یہ سُن کر اپنے سب گدھے غار میں لے گیا اور سونے کی تمام سِلیں ان پر لاد کر گھر میں لے آیا۔ دل آرام نے دیکھا کہ سب سِلیں بھی سونے کی ہیں۔

اس نے چند سِلیں چھوڑ کر باقی تمام سونا صحن میں ایک بڑا سا گڑھا کھدوا کر دبوا دیا اور گھر میں سب سے کہہ دیا کہ ان پتھروں کے بارے میں کسی سے کُچھ نہ کہنا۔

چند روز بعد دل آرام نے لکڑہارے سے کہا:

”بابا! اب تم سفر کی تیّاری کرو۔ خُدا نے چاہا تو تمہارا یہ سفر بہت مُبارک ثابت ہو گا اور ہماری کایا پلٹ دے گا۔ یہ ایک خط ہے جو میں نے بصرے کے ایک سُنار فُضیل کے نام لکھا ہے۔ وہ میرا مُنہ بولا بھائی اور بہت ایمان دار آدمی

ہے۔ پتھر کی یہ سِلیں اسے دے دینا۔ اس کے بدلے میں وہ تمہیں سونے کی بہت سی اشرفیاں دے گا۔ ان اشرفیوں کو احتیاط سے گھر لے آنا۔ لیکن خبر دار، راستے میں کِسی کو نہ تو یہ سِلیں دکھانا اور نہ اُس سے اشرفیوں کا ذکر کرنا۔"

لکڑہارا بصرے گیا اور فُضیل سُنار کو تلاش کر کے دل آرام کا خط اور سونے کی سِلیں اس کے حوالے کیں۔ سُنار نے اس سونے کی کئی لاکھ اشرفیاں بنا کر لکڑ ہارے کو دے دیں اور وہ یہ اشرفیاں لے کر اپنے گھر آیا۔ غرض اسی طرح چند مہینوں کے اندر اندر دل آرام نے لکڑہارے کو سونے کی سِلیں دے کر فُضیل سُنار کے پاس بھیجا اور اس کی اشرفیاں بنوائیں۔۔۔۔۔ یہاں تک کہ سارا سونا ختم ہو گیا اور دل آرام کے پاس کئی کروڑ اشرفیاں جمع ہو گئیں۔

اب دل آرام نے خط دے کر لکڑہارے کو شہر مدائن بھیجا اور کہا کہ وہاں سے سُہیل نامی راج کو بلا لائے۔ یہی وہ راج تھا جس نے بادشاہ قباد کامران کا محل اور وزیر القش کے حکم سے باغِ بے داد بنایا تھا۔ دل آرام کا خط دیکھتے ہی سُہیل

فوراً لکڑہارے کے ساتھ اس کے گھر آیا۔

دل آرام نے سُہیل سے کہا:

”میں چاہتی ہوں کہ اس جھونپڑی کی جگہ ایک عالی شان محل بنواؤں اور ایک شاندار باغ بھی کہ جس کے مقابلے میں باغِ بے داد کی کُچھ حقیقت نہ ہو۔ روپے پیسے کی فکر نہ کرنا دُوگنی مزدوری کام کرنے والوں کو ملے گی لیکن محل ایسا خُوبصورت اور عالی شان ہونا چاہیے کہ جو دیکھے عش عش کر اٹھے اور کہے کہ ہاں، محل اسے کہتے ہیں۔“

”آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی۔“ سُہیل نے ادب سے جواب دیا۔ ”لیکن کچھ رقم پیشگی ادا ہو تا کہ میں مزدوروں اور کاریگروں کو جمع کر سکوں۔“

دل آرام نے کئی لاکھ اشرفیاں اس کے سامنے رکھ دی۔ سُہیل یہ اشرفیاں دیکھ کر دھنگ رہ گیا اور اسے کُچھ اور پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس نے چند دن اندر ملک کے مشہور اور اعلیٰ درجے کے معمار اور کاریگر جمع کیے اور محل

بنانا شروع کر دیا۔ محل کے چاروں طرف ایک باغ لگانے کے لیے بے شمار باغبان بھی بلوائے گئے اور انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے طرح طرح کے خوش رنگ پودے اور حسین درخت لگا دیے۔ جنگل میں منگل ہو گیا۔ ہزاروں آدمی دن رات کام کرنے لگے۔

ایک سال کے اندر اندر لکڑہارے کی جھونپڑی کی جبکہ ایک عظیم الشان محل کھڑا ہو گیا جس میں ایک ہزار بڑے بڑے کمرے، دالان، بر آمدے اور صحن تھے۔ اور اس کی چھت آسمان سے باتیں کرتی تھی۔ محل کا ہر کمرہ قیمتی ساز و سامان سے سجایا گیا تھا، اور ہر کمرے میں مصوروں نے ایسی عمدہ تصویریں بنائی تھیں کہ شبہ ہوتا ابھی مُنہ سے بول پڑیں گی۔

اس محل اور باغ کی تیاری پر دس کروڑ اشرفیاں خرچ ہوئیں لیکن جو بھی دیکھتا، حیرت سے دانتوں میں انگلیاں دبا لیتا اور اکثر لوگ کہتے کہ ایسا محل اور ایسا باغ تو بادشاہ قباد کامران کا بھی نہیں ہے۔

دل آرام نے قباد لکڑہارے کے لیے ایسے کپڑے سلوائے جن میں ہیرے

جواہرات ٹنکے ہوئے تھے اور ہر لباس کی قمیت کئی لاکھ اشرفیوں کے برابر تھی۔

ایک روز اس نے لکڑہارے کو سب سے قیمتی لباس پہنایا اور بے شمار غلاموں اور نوکروں کے ساتھ شہر مدائن کی طرن روانہ کیا۔ دل آرام نے اسے سمجھا دیا تھا کہ سیدھے بادشاہ کے وزیر بزُرج مہر کے پاس جانا اور اس سے کہنا کہ میرا نام قباد ہے اور میں سوداگر ہوں۔ بادشاہ سے ملاقات کی خواہش ہے۔ بزُرج مِہر ضرور بادشاہ سے ملاقات کرائے گا۔ جب تم بادشاہ سے ملنا تو ادب سے سلام کرنا اور ہاتھ باندھ کر کھڑے رہنا اور یاد رکھنا کہ دربار میں داخل ہوتے ہوئے دایاں پیر پہلے رکھنا اور بایاں بعد میں۔ بادشاہ تمہیں جو کُچھ دیں اسے ادب سے لینے کے بعد سات مرتبہ جھُک کہ سلام کرنا۔ پھر ان سے عرض کرنا کہ غلام کی یہ آرزو ہے کہ آپ کسی روز غریب خانے پر تشریف لائیں اور میری دعوت قبول کریں۔ بادشاہ ہماری دعوت ضرور قبول کرے گا۔

یہ سب باتیں دل آرام نے اچھی طرح لکڑہارے کو سمجھا دیں اور اس نے وعدہ کیا کہ وہ ایسا ہی کرے گا۔ اس کے بعد لکڑ ہارا بڑی شان سے مدائن کی طرف روانہ ہوا۔ تمام راستے اشرفیاں لُٹاتا گیا اور جب شہر میں پہنچا تو اس کی سخاوت کے قصّے وہاں پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ وہ سیدھا بزُرج مِہر کے گھر گیا۔

بزُرج مِہر نے اسے بہت عزّت سے بٹھایا اور پوچھا "آپ کیسے تشریف لائے اور کہاں کا ارادہ ہے؟"

"میرا نام قباد سوداگر ہے۔" لکڑہارے نے جواب دیا۔ "بادشاہ سلامت کی ملاقات کو آیا ہوں۔ آپ مہربانی کریں اور مجھے بادشاہ کے حضور لے چلیں۔"

بزُرج مِہر کبھی اس کے قیمتی لباس کی طرف حیرت سے دیکھتا اور کبھی اس کی شکل کو گھُورنے لگتا۔ لیکن وہ بالکل نہیں پہچان سکا کہ یہ وہی قباد لکڑہارا ہے جس سے بہت دن پہلے جنگل میں ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے کہا:

"میں آپ کی ابھی بادشاہ سے ملاقات کراتا ہوں۔ آیئے میرے ساتھ

چلیے۔"

بزُرج مِہر نے اپنی سواری منگوائی اور اِدھر قباد لکڑہارا اپنے ہاتھی پر سوار ہوا۔ دونوں بادشاہ کے محل کی طرف روانہ ہوئے۔ بازار میں سے گزرتے ہوئے قباد لکڑہارے نے اپنے غلاموں کو اشارہ کیا اور انہوں نے اشرفیاں لُٹانی شروع کر دیں۔ لوگ اسے دعائیں دیتے اور کہتے کہ ایسا سخی اور مالدار سوداگر پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔

بزُرج مِہر نے لکڑہارے کو محل کے ایک کمرے میں بٹھایا اور خود بادشاہ کو اطلاع دینے گیا۔ بادشاہ اس وقت اپنے خاص محل میں آرام کر رہا تھا۔ بزُرج مِہر کو آتے دیکھا تو گبھرا کر اٹھا اور کہنے لگا:

"خیر تو ہے؟ تم اس وقت کیسے آئے؟"

"حضور ایک سوداگر آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ لے کر آیا ہوں۔ ایسا عمدہ لباس اس کے بدن پر ہے کہ اس کی قیمت کا

کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اس کے ساتھ بے شمار غلام ہیں اور وہ بازاروں میں اشرفیاں لُٹاتے ہوئے آئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس سوداگر کے پاس بے اندازہ دولت ہے لیکن چال ڈھال اور بات چیت سے پتہ چلتا ہے کہ بالکل ان پڑھ اور بے وقوف ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی۔ سوچ رہا ہوں کہ علمِ نجوم کے ذریعے اس کے حالات معلوم کروں۔"

"تعجب ہے۔" بادشاہ نے کہا۔ "خیر اسے اندر لے آؤ۔ ہم بھی دیکھیں کون ہے۔"

بزُرج مِہر باہر گیا اور قباد لکڑہارے سے کہا "آیئے بادشاہ سلامت آپ کو یاد فرماتے ہیں۔"

دل آرام نے لکڑہارے کو سمجھایا تھا کہ جب بادشاہ کے حضور میں حاضر ہونا تو پہلے دایاں پاؤں آگے بڑھانا لیکن لکڑہارا ایسا بدحواس ہوا کہ یہ بات بھول گیا کہ کون سا پاؤں آگے بڑھائے، دل میں کہا کہ دونوں پاؤں ملا کر ایک دم اندر

چلا جاؤں تا کہ دائیں بائیں کا جھگڑا ہی نہ رہے۔ یہ سوچ کر اُچھلا اور بادشاہ کے کمرے میں داخل ہوا لیکن سنگِ مرمر کے فرش پر پیر پھسل گئے اور وہ لڑھکتا ہوا دُور تک چلا گیا۔

پھر جلدی سے کپڑے جھاڑتا ہوا اُٹھا اور بادشاہ کو سات سلام عرض کیے۔ لکڑہارے کی یہ حرکت دیکھ کر بادشاہ کو ہنسی آئی۔ مگر وہ ضبط کر گیا، لکڑہارے کو قریب لا کر پوچھا:

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"جہاں پناہ، میرا نام قباد ہے۔ سوداگر ہوں۔"

"خُوب خُوب، تم تو ہمارے ہم نام نکلے۔" بادشاہ نے کہا اور سونے کی طشتری میں سے مصری کی ایک ڈلی اُٹھا کر لکڑہارے کو دی۔ لکڑہارے نے کبھی بادشاہ کا دربار دیکھا ہوتا تو اسے معلوم ہوتا کہ وہاں کے ادب آداب کیا ہیں۔ اس کی تو عمر لکڑیاں کاٹتے گزری تھی۔ اس نے بڑی بدتمیزی سے مصری کی ڈلی منہ

میں ڈالی اور کچر کچر چبا گیا۔

یہ دیکھ کہ بادشاہ ہنسا اور بزُرج مِہر کے کان میں کہنے لگا:

"یہ کس جانور کو پکڑ لائے؟ چاہیے تھا کہ اسے پہلے کُچھ تمیز سکھاتے اور پھر میرے پاس لاتے۔"

بزُرج مِہر اپنے دل میں شرمندہ ہوا اور اشارے سے لکڑہارے کو باہر لے گیا۔ پھر اپنے گھر لے جا کر بڑی محبت اور پیار سے چند باتیں اسے سمجھائیں اور کہا "بادشاہ جب کوئی چیز عطا کرے تو سلام کر کے اسے سر پہ رکھنا چاہیے۔ تم نے یہ کیا حرکت کی کہ مصری کی ڈلی اسی وقت منہ میں ڈال کر گائے بھینسوں کی طرح چبانے لگے، آئیندہ ایسا نہ کرنا۔"

"بہت اچھا جناب، مجھ سے خطا ہوئی۔ معاف کر دیجئے۔" لکڑہارے نے کہا۔ "آیندہ آپ کی ہدایت کے مطابق کروں گا۔ لیکن میری خواہش یہ ہے کہ بادشاہ سلامت کی اپنے گھر دعوت کروں۔"

”یہ بات تم خود بادشاہ سے کہنا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ تمہاری دعوت قبول کریں گے۔“ بزُرج مِہر نے کہا۔

اگلے روز بزُرج مِہر لکڑہارے کو لے کر بادشاہ کے محل میں گیا۔ بادشاہ اس وقت دستر خوان پر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔

قباد لکڑہارے کو دیکھ کر خوش ہوا، کیوں کہ اسے کل کا واقعہ یاد آ گیا تھا۔

”آؤ قباد ہمارے پاس آکر بیٹھو۔“ بادشاہ نے کہا۔

لکڑہارا آلتی پالتی مار کر بدتمیزی سے سلام کے بغیر بادشاہ کے پاس جا بیٹھا اور اجازت لیے بغیر کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ بادشاہ پھر ہنسا لیکن کُچھ نہ کہا بلکہ اپنے ہاتھ سے شوربے کا پیالہ اُٹھا کر اس کو دیا۔ لکڑہارا چاہتا تھا کہ پیالہ مُنہ سے لگا کر شوربا پیے کہ بزُرج مِہر کی نصیحت یاد آئی کہ بادشاہ جب کوئی چیز دے تو سلام کر کے اسے سر پر رکھنا چاہیے۔ یہ خیال آتے ہی اس نے بادشاہ کو بائیں ہاتھ سے سلام کیا اور دائیں ہاتھ سے پیالہ اپنے سر پر اُلٹ لیا۔ یہ دیکھ

کر ہنسی کے مارے بادشاہ لوٹ پوٹ ہو گیا۔

لکڑ ہارے نے کہا۔ ”حضور میں نے بزُرج مِہر کی نصیحت پر عمل کیا۔ انہوں نے کہا تھا کہ بادشاہ جب کوئی چیز عطا کرے تو اسے سر پر رکھنا چاہیے۔ اچھا حضور، اب میری درخواست یہ ہے کہ آپ غریب خانے پر تشریف لے چلیں اور غلام کی دعوت قبول فرمائیں۔“

”ہم ضرور تمہارے گھر آئیں گے۔“ بادشاہ نے وعدہ کر لیا ”مگر یہ تو بتاؤ کہ ہمیں کھلاؤ گے کیا؟“

”حضور میں غریب آدمی ہوں۔ مگر میری ایک بیٹی بہت عمدہ کھانا پکاتی ہے۔ آپ کھائیں گے تو خوش ہوں گے۔“

”اچھا۔ ہم پرسوں تمہارے گھر آئیں گے۔ اپنا پتا بزُرج مِہر کو بتاتے جاؤ۔“ بادشاہ نے کہا۔

لکڑ ہارا سلام کر کے محل سے باہر چلا آیا اور اسی روز شام کے وقت بزُرج مِہر کو

اپنے مکان کا پتا بتا کر گھر لوٹ آیا۔

دل آرام نے جب یہ سُنا کہ بادشاہ پرسوں آ رہا ہے تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ اسی وقت نئے سرے سے محل کی سجاوٹ کا حکم دیا اور مُصوّروں کو بُلا کر محل کے دروازے اور اندر کمروں میں ایسی تصویریں بنوائیں جن میں وہ منظر دکھایا گیا تھا جب بادشاہ نے دل آرام کے قیمتی کپڑے اُتروا کر اسے میلے کچیلے لباس میں جنگل میں چھوڑ دیا تھا۔ پھر اس نے کھانا پکانے کے لیے طرح طرح کے مسالے، اعلیٰ درجے کا گوشت اور سبزیاں منگائیں اور بادشاہ کا انتظار کرنے لگی۔

ٹھیک تیسرے دن بادشاہ اپنے وزیروں اور امیروں سمیت قباد لکڑہارے کے مکان پر آیا۔ اس نے اس مکان اور اس کے ارد گرد پھیلے ہوئے حسین باغ کو دیکھا تو دنگ رہ گیا۔ اتنا عالی شان محل اور باغ تو اس کے پاس بھی نہ تھا۔ حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھا اور بزُرجِ مِہر کے کان میں گھسر پھسر کرتا ہوا وہ محل میں داخل ہوا۔ قباد لکڑہارے نے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔ اب بادشاہ

کی نظر ان تصویروں پر پڑی جو دل آرام نے بنوائی تھیں۔ انہیں دیکھ کر حیران ہوا لیکن سمجھ میں نہ آیا کہ ان تصویروں کا مطلب کیا ہے۔ تب بزُرج مِہر نے یاد دلایا کہ یہ تصویر اس وقت کی ہے جب آپ نے دل آرام کو اکیلا جنگل میں چھوڑ دیا تھا۔

دل آرام کی یاد آتے ہی بادشاہ غمگین ہوا اور کہنے لگا۔ "افسوس کہ میں نے اتنی عقلمند لونڈی کو یوں جنگل میں چھوڑا۔ نہ معلوم اُس پر کیا بیتی ہو گی۔"

اتنے میں قباد لکڑہارے نے دستر خوان بچھوایا اور ایک سو قسم کے لذیز کھانے بادشاہ کے سامنے چُن دیے، بادشاہ ہر کھانے کو چکھتا اور اس کی تعریف کرتا۔ مگر اسے رہ رہ کر دل آرام کی یاد آتی تھی۔ دل آرام اس وقت نفیس پوشاک پہنے، جس میں ہزاروں ہیرے ٹکے ہوئے تھے، دروازے کی اوٹ میں کھڑی تھی۔ بادشاہ نے اس کی ایک جھلک دیکھی تو حیران ہوا کہ دل آرام کی ہم شکل یہ عورت کہاں سے آئی۔ اس نے قباد سے کہا "یہ عورت کون ہے جو دروازے کی اوٹ میں کھڑی ہے؟"

”حضور یہ میری بیٹی ہے۔“ لکڑہارے نے جواب دیا۔

اتنے میں دل آرام دروازے کی اوٹ سے نکل کر کمرے میں آئی اور بادشاہ کو جھک کر سلام کیا۔ بادشاہ حیرت سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور چلّا کر بولا۔ ”دل آرام تو یہاں کیسے آئی؟“

”جہاں پناہ، آپ نے اس کو نہیں پہچانا؟ یہ وہی قباد لکڑہارا ہے جسے بہت عرصہ پہلے جنگل میں دیکھا تھا۔ خواجہ بزُرج مِہر کا خیال تھا کہ اس کی قسمت بہت بُری ہے۔ لیکن میں نے عرض کیا تھا کہ شاید اس کے گھر میں کوئی پھوہڑ عورت ہے جو اس کی حالت بہتر نہیں ہونے دیتی۔ اس بات پر حضور سخت ناراض ہوئے اور مجھے جنگل میں اکیلا چھوڑ گئے۔ اب ملاحظہ فرمایئے، یہ وہی لکڑہارا ہے۔“

بادشاہ نے شرمندہ ہو کر کہا۔ ”دل آرام مجھے معاف کر دو۔ میں نے تمھیں دُکھ پہنچایا۔“

دل آرام نے ہاتھ جوڑے اور سر جھکا کر کہا۔ ”حضور اس بات کا خیال بھی نہ فرمائیں۔ لونڈی آپ کے لیے جان بھی قربان کر دے تو آپ کا حقِّ نمک ادا نہیں ہو سکتا۔“

بادشاہ نے لکڑہارے کو گلے سے لگایا اور کہا کہ یہ مال دولت تمہیں مبارک۔ ہم دل آرام کو ساتھ لے جاتے ہیں۔

چند روز بعد بادشاہ نے دل آرام سے شادی کر لی اور ایک ماہ تک ملک میں خوشیاں منائی گئیں۔

شہزادہ نوشیر واں

دل آرام سے شادی کے بعد بادشاہ نے بزُرج مِہر کو حکم دیا کہ علمِ نجوم کے ذریعے معلوم کرو کہ ہمارے تخت و تاج کا وارث کب پیدا ہو گا۔ بزُرج مِہر نے حساب لگایا بادشاہ کو خوش خبری سنائی کہ اسی سال شہزادہ پیدا ہو گا۔ اس کی سلطنت بہت بڑی ہو گی اور وہ سو برس تک نہایت شان و شوشکت سے حکومت کرے گا۔ دنیا کی بہت سی سلطنتیں اور بادشاہ اسے خراج ادا کریں گے۔ بادشاہ قباد یہ باتیں سُن کر بے حد خوش ہوا۔

کُچھ عرصے بعد بادشاہ کے ہاں ایک خُوبصورت شہزادہ پیدا ہوا۔ بادشاہ نے یہ

خبر سُنی تو تمام ملک میں سات روز تک جشن منانے کا حکم دیا۔ ہزاروں قیدی رہا کئے گئے۔ غریبوں کو کھانا کھلایا گیا اور خُوب خیرات کی گئی۔ رات کو سارے ملک میں چراغاں ہوا اور خوشی کے شادیانے بجائے گئے۔

جب شہزادہ پیدا ہوا تو اسی وقت شہر مدائن کے قریب ایک خشک چشمے میں خود بخود پانی جاری ہو گیا۔ اس چشمے سے بادشاہ کے لیے کسی زمانے میں پینے کا پانی لے جایا جاتا تھا۔ بادشاہ نے بزُرج مِہر سے کہا کہ شہزادے کا نام تجویز کرو۔ اس نے کہا:

"حضور، شہزادہ بہت خوش قسمت اور مبارک قدم ہے۔ اس کے آتے ہی خشک چشمہ رواں تھا۔ اس لیے میں اس کا نام نوشیرواں رکھتا ہوں۔"

بادشاہ نے یہ نام بہت پسند کیا اور بزُرج مِہر کا مُنہ موتیوں سے بھر دیا۔

نوشیرواں کی پیدائش کے گیارہ روز بعد بزُرج مِہر کو معلوم ہوا کہ حبشی غلام بختیار کے گھر میں بھی لڑکا پیدا ہوا ہے، یہ لڑکا وزیر القش کا نواسا تھا۔ بزُرج مِہر

بختیار کے گھر گیا۔ لڑکے کو دیکھا اور اس کا نام بختک رکھا۔

جب نوشیر واں چار برس کا ہوا تو بادشاہ نے بزُرج مِہر سے کہا کہ اب شہزادے کی تعلیم کا بندولست ہونا چاہیے اور یہ کام تم سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا۔ نوشیر واں کو بزُرج مِہر کے حوالے کر دیا گیا اور اس نے شہزادے کو پڑھانا شروع کیا۔ چند روز بعد بزُرج مِہر نے بختیار کے بیٹے بختک کو بھی پڑھانے کے لئے بلوایا اور ان دونوں کو چند برس کے اندر اتنے علم سکھا دیئے کہ بڑے بڑے عالم فاضل حیران رہ گئے۔

لیکن نوشیر واں اور بختک میں فرق تھا۔ نوشیر واں نہایت ذہین، فرمان بردار، خوش اخلاق اور خوبصورت تھا اور بختک بدصورت، بدتمیز، بدمزاج تھا۔ اس کا دماغ بھلائی کے کاموں کی بجائے بُرائی کے کاموں میں زیادہ لگتا تھا۔ اپنے اُستاد بزُرج مِہر کی بے عزّتی کرنے میں اسے بڑا مزہ آتا۔ جان جان کر ایسی رسمیں کرتا کہ بزُرج مِہر کو صدمہ پہنچے۔ مگر وہ خاموش رہتا۔ کوئی نصیحت بختک پر کارگر نہ ہوتی اور وہ من مانی کرتا۔ وہ اپنی ماں سے کہا کرتا کہ بزُرج

مِہر نے میرے نانا کو مروایا ہے، میں اس سے بدلہ ضرور لوں گا۔ نوشیر واں سے بھی اس نے بزُرج مِہر کی شکایتیں کیں، لیکن اس نے ہمیشہ اس کو جھڑک دیا اور ناراض ہوا۔

وقت گزرتا گیا اور نوشیر واں نے بچپن کی منزلیں طے کر کے جوانی کی سرحد میں قدم رکھا۔ اب بادشاہ قباد بہت بوڑھا ہو گیا تھا۔ اس نے سوچا کہ سلطنت نوشیر واں کے حوالے کر کے اپنی بقیہ زندگی ایک کونے میں بیٹھ کر اِطمینان سے گزارے۔ اس نے بزُرج مِہر سے مشورہ کیا۔ اس نے بھی بادشاہ کی یہ رائے پسند کی، لیکن یہ مشورہ بھی دیا کہ پہلے نوشیر واں کی شادی ہو جائے۔

اُنھی دنوں چین سے سوداگروں کا ایک قافلہ مدائن آیا اور ان میں سے ایک سوداگر کی ملاقات بزُرج مِہر سے ہوئی۔ باتوں باتوں میں سوداگر نے ذکر کیا کہ چین کے بادشاہ کی بیٹی اتنی خُوبصورت ہے کہ کیا کوئی پری ہو گی۔ کیا ہی اچھا ہو کہ نوشیر واں جیسے عقلمند، خُوبصورت اور عالم فاضل شہزادے کی شادی چین کے بادشاہ کی بیٹی سے ہو۔ ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ قدرت نے ان دونوں

کو ایک دوسرے کے لیے بنایا ہے۔

سوداگر نے شہزادی کی اتنی تعریفیں کیں کہ بزُرج مِہر سوچنے لگا کہ چین کا بادشاہ بھی بہت بڑی سلطنت کا مالک ہے اور شان و شوکت میں کسی طرح ہمارے بادشاہ سے کم نہیں۔ اگر ان میں رشتے داری ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔

یہ سوچ کر وہ قباد بادشاہ کے محل میں گیا اور اس سے یہ بات کی۔ بادشاہ نے بھی اس کی رائے پسند کی اور حکم دیا کہ تم فوراً چین جانے کی تیاری کرو اور نوشیر واں کی شادی کا پیام چین کے بادشاہ کو دو۔ بادشاہ بے شمار ہاتھی گھوڑے اور ہیرے جواہرات بطور تحفے کے طور پر بزُرج مِہر کے ساتھ کر دیے۔ ان کے علاوہ ایک ہزار حبشی غلام اور سپاہی اس کے ہمراہ روانہ کیے۔

چین کے بادشاہ کو خاقانِ اعظم کہتے تھے۔ اسے جب پتا چلا کہ ایران کے بادشاہ کا وزیر آرہا ہے تو وہ بہت خوش ہوا اور اس کے استقبال کے لیے اپنے فوجی سرداروں اور چار بیٹوں کو بھیجا۔ ان لوگوں نے بڑے ادب اور احترام

سے بزُرج مِہر کا استقبال کیا اور اسے خانِ اعظم کے دربار میں لے گئے۔ بزُرج مِہر نے بادشاہ کو جھک کر سلام کیا اور جو تحفے لایا تھا پیش کیے، خاقانِ اعظم نے اسے اپنے قریب بٹھایا اور باتیں کرنے لگا۔

بزُرج مِہر نے خاقانِ اعظم سے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا اور نوشیرواں کی اتنی تعریفیں کیں کہ وہ اس سے اپنی بیٹی کی شادی کرنے کے لیے رضامند ہو گیا اور کہا کہ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ نوشیرواں جیسا شہزادہ میرا داماد ہو۔ اس نے اسی وقت اپنے درباریوں اور سرداروں کو حکم دیا کہ شادی کی تیاری کی جائے۔

بزُرج مِہر خاقانِ اعظم سے رخصت ہو کر اپنے ملک میں آیا اور بادشاہ قباد کو یہ خوشخبری سُنائی کہ چین کا بادشاہ اپنی بیٹی سے نوشیرواں کی شادی کرنے پر آمادہ ہے۔

قباد بہت خوش ہوا اور یہاں بھی شادی کی زور و شور سے تیاریاں ہونے لگیں۔ مُلک میں ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

تین ماہ بعد نوشیر واں کی شادی بڑی دھوم دھام سے چین کی شہزادی مہر انگیز کے ساتھ ہو گئی۔ چین کے بادشاہ نے اپنی بیٹی کو جہیز میں سونے چاندی کے اتنے زیور اور برتن دیے کہ جن کا شمار ممکن نہ تھا۔ اس کے علاوہ اعلیٰ درجے کے ریشم کی دس ہزار پوشاکیں بھی دیں۔ ایک ہزار لونڈی غلام بھی شہزادی کی خدمت کے لیے چین سے بھیجے گئے۔ دونوں ملکوں میں کئی ماہ تک شادی کا جشن ہوا۔

ایک دن قباد بادشاہ نے بزُرج مِہر کو بلایا اور کہا:

"تم دیکھ رہے ہو کہ میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں۔ حکومت کا کام سنبھالنا میرے لیے مشکل ہو گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں حکومت اپنے بیٹے نوشیر واں کے سپرد کر دوں، تمہاری کیا رائے ہے؟"

"مجھے حضور کی رائے سے اِتّفاق ہے۔" بزُرج مِہر نے ادب سے جواب دیا "نوشیر واں کو تخت پر بٹھایئے اور سلطنت کا کام انہیں سنبھالنے دیجئے۔۔۔۔ لیکن ایک بات میں کہنا چاہتا ہوں۔ اجازت ہو تو عرض

کروں؟"

"ہاں ہاں، بڑے شوق سے کہو۔" بادشاہ نے کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تخت پر بٹھانے سے پہلے نوشیرواں کے ہاتھوں میں ہتھکڑی اور پاؤں میں بیڑی پہنا کر اس کو چالیس دن قید خانے کی تنگ اور اندھیری کوٹھڑی میں رکھا جائے۔"

یہ سُن کے بادشاہ قباد سخت حیران ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ آخر اس حرکت کا مطلب کیا ہے، کہنے لگا "میں جانتا ہوں کہ تمھاری کوئی بات بھی دانائی سے خالی نہیں ہوتی۔ اس میں بھی نوشیرواں کے لیے کوئی بھلائی اور بہتری ہو گی۔ تمھیں پورا اختیار ہے جو چاہو کرو۔"

بزُرج مِہر نے بادشاہ سے اجازت پا کر اسی روز شہزادہ نوشیرواں کا شاہی لباس اُتروا کر اسے قیدیوں کے سے کپڑے پہنائے، ہاتھوں میں لوہے کی ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈالیں اور قید خانے میں بھجوا دیا۔

چالیس دن تک شہزادے کے ساتھ قید خانے میں وہی سلوک ہوا جو دوسرے قیدیوں کے سال ہوتا تھا۔ اکتالیسویں دن بزُرج مِہر گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں آیا۔ شہزادے کو قید خانے سے نکالا اور حکم دیا کہ وہ گھوڑے کے آگے آگے پیدل چلے۔ اسی طرح بازاروں میں اُسے گھماتا پھراتا بادشاہ کے محل پر آیا۔ پھر کوڑا منگا کر زور زور سے تین کوڑے شہزادے کی پیٹھ پر مارے۔ تکلیف اور درد سے نوشیرواں کے آنسو نکل آئے لیکن اپنے اُستاد کا اتنا رعب اس کے دل میں تھا کہ ذرا بھی چوں نہ کی۔

اس کام سے فارغ ہو کر بزُرج مِہر نے تلوار نکال کر شہزادے کو دی اور ادب سے گردن جھکا کر کہا "اے شہزادے، یہ گردن حاضر ہے۔ میں نے آپ کی شان میں جو گستاخی کی ہے اس کی سزا یہ ہے کہ اس تلوار سے میری گردن اُڑا دی جائے۔"

نوشیرواں ہنس پڑا۔ بزُرج مِہر کو گلے سے لگایا اور کہنے لگا:

”آپ میرے اُستاد ہیں۔ آپ کے مجھ پر اتنے احسان ہیں کہ ان کا بدلہ میں زندگی بھر چُکا نہیں سکتا۔ اگر آپ نے مجھے چالیس دن قید خانے میں رکھا، بازاروں میں پیدل پھرایا اور کوڑے مارے تو ضرور اس میں میری ہی کوئی بہتری ہے۔ لیکن میں نہ سمجھ سکا۔“

بزُرج مِہر نے نوشیرواں کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا:

”میں نے یہ کام اس لیے کیا کہ تم عنقریب اپنے باپ کی جگہ اس سلطنت کے مالک بننے والے ہو۔ تخت و تاج تمہارے حوالے کر دیا جائے گا اور تم بادشاہ کہلاؤ گے۔ میں نے تمہیں قید ہیں اس لیے رکھا کہ تمہیں معلوم ہو کہ قید خانے میں کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور تم کسی بے گناہ کو قید نہ کرو۔ دوسرے یہ کہ جو غلام اور خادم خدمت کریں اور تمہاری سواری کے آگے آگے دوڑیں ان کی قدر کرو۔ تیسری یہ کہ کسی کو بے قصور مت مارو۔ تم نے خود کوڑوں کی مار کا مزہ چکھ لیا ہے اس لیے مجھے یقین ہے کہ آئندہ کسی بے گناہ کو کوڑوں کی سزا نہ دو گے۔“

چند روز بعد نوشیر واں نہایت دھوم دھام سے تخت پر بیٹھا۔ بادشاہ قباد نے اپنے ہاتھ سے شاہی تاج اس کے سر پر رکھا اور دُعا دی۔ تمام فوجی سرداروں، امیروں اور وزیروں نے نذر پیش کیں اور وفاداری کا حلف اُٹھایا۔

نوشیر واں نے بزُرج مِہر کو اپنا وزیرِ اعظم مقرر کیا اور عہد کیا کہ بزُرج مِہر سے مشورہ کیے بغیر کوئی کام نہ کرے گا۔ بزُرج مِہر کو اب حبشی غلام بختیار سے کیا ہوا وعدہ یاد آ گیا کہ اگر تمہارے گھر بیٹا پیدا ہوا تو اسے وزیر بنوا دوں گا۔ وہ بختک کو لے کر آیا اور اسے بھی سفارش کر کے وزیر بنوا دیا۔

جب تک نوشیر واں کا باپ قباد زندہ رہا نوشیر واں انصاف سے حکومت کرتا رہا۔ رعایا خوش حال تھی لیکن جونہی قباد کی آنکھیں بند ہوئیں نوشیر واں عیش و عشرت میں پڑ کر سلطنت کے کاموں سے غافل ہو گیا۔ ہر طرف رشوت اور ظلم ہونے لگا۔ سرکاری افسر غریب لوگوں کو پریشان کرنے لگے، چوریاں اور ڈاکے عام ہو گئے۔ بختک وزیر نے نوشیر واں پر کُچھ ایسا جادو کر دیا تھا کہ وہ اسی کی بات پر عمل کرتا اور ہر کام میں اسی سے مشورہ لیتا تھا۔ بزُرج مِہر یہ

سب کُچھ دیکھتا اور کُڑھتا۔ کئی بار اس نے نوشیر واں کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن بختک نے اس کی ایک نہ چلنے دی۔ آخر بزُرج مِہر مایوس ہو کر چپ ہو رہا۔

انہی دنوں ایک بڑا مشہور خونی اور ڈاکو گرفتار کر کے نوشیر واں کے دربار میں لایا گیا۔ بادشاہ نے اس کا مقدمہ سُنا اور حکم دیا کہ ڈاکو کی گردن تلوار سے اڑا دی جائے، جب جلّاد اسے مارنے کے لیے جانے لگے تو ڈاکو نے کہا:

"حضور میں مرنے کو تیار ہوں لیکن میرے سینے میں ایک ایسا عجیب علم ہے جو دنیا میں میرے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ اگر میں مَر گیا تو یہ علم بھی دنیا سے مِٹ جائے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ مرنے سے پہلے یہ علم کسی کو سکھا دوں۔"

نوشیر واں یہ بات سُن کر حیران ہوا اور کہنے لگا: "بیان کرو وہ کون سا علم تیرے پاس ہے جو تمام روئے زمین پر اور کسی کے پاس نہیں۔"

"جہاں پناہ، میں جانوروں کی بولیاں سمجھ لیتا ہوں۔" ڈاکو نے کہا۔

”یہ تو بہت بڑا علم ہے۔“نوشیرواں نے کہا۔

بزُرج مِہر کو حکم دیا”اس ڈاکو کو اپنے گھر لے جایئے اور جانوروں کی زبان سیکھنے کے بعد اس کی گردن اڑادیجئے۔“

”بہت بہتر عالی جاہ۔“بزُرج مِہر نے کہا اور اسے اپنے گھر لے گیا۔

بزُرج مِہر کے گھر پہنچ کر ڈاکو کہنے لگا:

”میری شرط یہ ہے کہ چالیس روز تک مجھے اچھے کھانے کھلاؤ، بہترین کپڑے پہناؤ، میری ہر خواہش پوری کرو۔ اس کے بعد میں تمہیں جانوروں کی زبان سکھاؤں گا۔“

بزُرج مِہر نے اس کی یہ شرط منظور کی اور ڈاکو کی خواہش کے مطابق اس کو چالیس روز تک مزے دار کھانے کھلائے اور اچھے کپڑے پہنائے۔ اِکتالیسویں روز بزُرج مِہر نے اس سے کہا:

”تیری شرط میں نے پوری کی۔ اب مجھے جانوروں کی زبان کا علم سکھا۔“

یہ سُن کر ڈاکو نے قہقہہ لگایا اور بولا ”اے بزُرج مِہر۔ تو اتنا عقلمند آدمی ہو کر دھوکا کھا گیا۔ کیا کبھی تو نے سُنا ہے کہ کوئی انسان جانوروں کی زبان سمجھتا ہے؟“

بزُرج مِہر شرمندہ ہوا اور کہا ”اس کا مطلب یہ ہے کہ تو جانوروں کی زبان بالکل نہیں سمجھتا۔“

”بالکل نہیں۔“

”پھر تو نے جھوٹ کیوں بولا؟ صرف چالیس دن کی زندگی کے لیے؟“

”ہاں، میں نے سوچا کہ مرنا تو ہے پھر کیوں نہ کھا پی کر اور اپنے دل کی خواہشیں پوری کرنے کے بعد مروں۔“ ڈاکو نے ہنس کر جواب دیا۔

بزُرج مِہر حیرت سے اس کی طرف تکنے لگا۔ ایسے آدمی سے اس کا پالا کبھی نہ پڑا تھا۔ وہ بولا۔ ”اگر تو اپنے دل سے وعدہ کرے کہ آیندہ کبھی ڈاکا نہیں مارے گا اور نہ خدا کی مخلوق کو ستائے گا تو میں تیری جان بخشی کے لیے تیار

ہوں۔“

”میں وعدہ کرتا ہوں کہ آیندہ سے یہ تمام بُری حرکتیں چھوڑ کر محنت مزدوری سے روزی کماؤں گا۔“ڈاکو نے جواب دیا۔

”اچھا، اب تو جہاں چاہے چلا جا۔ میں تجھے چھوڑتا ہوں۔“

ڈاکو بزُرجِ مہر کو دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔

اس واقعے کے چند روز بعد نوشیرواں شکار کھیلنے کے لیے نکلا اور ایک ویرانے کی طرف جا پہنچا۔ اس وقت بادشاہ کے ساتھ بزُرجِ مہر اور بختک کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ نوشیرواں اس ویرانے کو دیکھ کر بزُرجِ مہر سے کہنے لگا:

”کیسی خوفناک جگہ ہے۔ دور دور تک آدمی نظر نہیں آتا اور نہ کہیں سبزے ہی کا نام و نشان ہے۔“

بزُرجِ مہر ابھی جواب دینے نہ پایا تھا کہ اُلوّوں کا ایک جوڑا کہیں سے اُڑتا ہوا آیا اور ایک ایسے درخت پر بیٹھ گیا جس کی کوئی شاخ بھی ہری نہ تھی۔

آدمیوں کو اپنے قریب دیکھ کر اُلّو ہُو ہُو ہُو کرنے لگے۔

نوشیر واں نے پوچھا: ”کیا تم نے اس ڈاکو سے جانوروں کی زبان سمجھنے کا عِلم سیکھ لیا تھا؟“

”جی ہاں حضور سیکھ لیا تھا“ بزُرج مِہر نے کہا۔

”ہمیں بتاؤ کہ یہ اُلّو آپس میں کیا باتیں کر رہے ہیں؟“

”حضور یہ آپس میں رشتے دار ہیں۔ بڑا اُلّو چھوٹے اُلّو سے کہہ رہا ہے کہ اگر تو اپنے بیٹے کی شادی میری بیٹی سے کر دے تو میں جہیز میں ایسے ہی تین ویرانے دوں گا۔ چھوٹا اُلّو کہہ رہا ہے کہ تین نہیں دس ویرانے لوں گا تب شادی کروں گا۔ یہ سُن کر بڑا اُلّو بولا کہ گھبراتے کیوں ہو۔ نوشیر واں کی بادشاہی قائم رہی تو دس کی جگہ سو ویرانے دوں گا۔“

بزُرج مِہر کے منہ سے یہ باتیں سُن کر نوشیر واں کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ ادھر بختک دل میں خوش ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ اب نوشیر واں بزُرج مِہر کو

ہر گز زندہ نہ چھوڑے گا کیوں کہ اس نے بادشاہ کی شان میں گستاخی کی ہے لیکن نوشیرواں سمجھ گیا کہ اُستاد بزُرجِ مہر نے اُسے اُلّوؤں کی باتیں سمجھانے کے بہانے نصیحت کی ہے کہ اگر میں نے سلطنت کی طرف دھیان نہ دیا تو ایک دن پورا ملک ہی ویرانہ بن جائے گا۔ اس نے آگے بڑھ کر بزُرجِ مہر کو سینے سے لگا لیا اور کہا ”اُستاد بزُرجِ مہر، آپ نے میری آنکھیں کھول دیں۔ میں اپنا فرض بھول گیا تھا۔ اب عہد کرتا ہوں کہ آیندہ غفلت نہ کروں گا۔“

اس نے مدائن میں آتے ہی اعلان کر دیا کہ بادشاہ ہر فریادی کی فریاد خود سُنا کرے گا اور ظلم کرنے والے کو سزا دے گا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی بادشاہ نے عدل و انصاف کے تخت پر بیٹھ کر ایسے فیصلے کیے کہ لوگ اسے نوشیرواں عادل کہہ کر پکارنے لگے۔ چند دن کے اندر اندر ساری برائیاں مِٹ گئیں اور لوگ بادشاہ کی جان و مال کو دعائیں دینے لگے۔

امیر حمزہ کی پیدائش

کئی برس گزر گئے۔ اس مدت میں بزُرج مِہر کے گھر میں دو لڑکے پیدا ہوے۔ ایک کا نام خواجہ سیاش اور دوسرے کا خواجہ دریادل رکھا گیا۔ نوشیر واں کے ہاں تین بچّے ہوئے۔ ان میں دو لڑکے تھے، ایک لڑکی۔ بڑے لڑکے کا نام شہزادہ ہُرمُز، چھوٹے کا شہزادہ فرامُرز اور شہزادی کا نام مہر نگار رکھا گیا۔ اتفاق کی بات کہ اسی زمانے میں بختک کے گھر میں بھی لڑکا پیدا ہوا۔ بزُرج مِہر نے اس کا نام بختیار رکھا۔

نوشیر واں نے ایک رات بڑا عجیب خواب دیکھا۔ جب آنکھ کھلی تو یہ خواب

اسے اچھی طرح یاد تھا۔ اب وہ اس کی تعبِیر جاننے کے لیے بے چین ہوا۔ بزُرج مِہر کو فوراً بُلایا اور اس سے اپنا خواب یوں بیان کیا۔

"کیا دیکھتا ہوں کہ میں ایک ہرے بھرے میدان میں کھڑا ہوں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ صبح کا وقت ہے، میں شاہی لباس پہنے ہوئے ہوں اور میرے سر پر تاج بھی رکھا ہے۔ یکایک مشرق کی جانب سے ایک بہت بڑا اور خوفناک صُورت کوّا اُڑتا ہوا آیا اور میرے سر پر سے تاج اُتار کر لے گیا۔ ابھی میں پریشان کھڑا اس کو دیکھ ہی رہا تھا کہ مغرب کی جانب سے ایک بہت خُوبصورت، کوّے سے دوگنا بڑا، سُنہری پروں والا عقاب آیا اور کوّے کی طرف لپکا۔وہ اسے مار کر تاج اپنی چونچ میں اُٹھا کر لایا۔ میرے سر پر رکھا اور جدھر سے آیا تھا اُدھر اُڑ کر نظروں سے غائب ہو گیا۔ اب تم بتاؤ کہ اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟"

بزُرج مِہر دیر تک سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا۔ پھر اس نے کچھ حساب لگایا، اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی اور چہرہ خوشی سے کِھل اُٹھا۔ ہاتھ باندھ

کر کہنے لگا:

"جہاں پناہ، آپ نے بڑا مبارک خواب دیکھا ہے، اب اس کی تعبیر عرض کرتا ہوں۔ حضور، مشرق کی طرف خیبر نام کا ایک شہر ہے۔ وہاں ایک شخص پیدا ہو گا جس کا نام حشّام رکھا جائے گا۔ یہ شخص جوان ہو کر بڑی قوّت اور ناموری پائے گا اور آہستہ آہستی طاقتور فوج تیار کر کے ایران پر حملہ کرے دے گا۔ اس جنگ میں حضور کی فوج شکست کھا جائے گی۔ حشّام آپ کا تخت چھین لے گا۔۔۔ لیکن انہی دِنوں مغرب کی جانب مکّے کے پاک شہر سے امیر حمزہ نام کا ایک جوان آئے گا۔ اس کی حشّام سے لڑائی ہو گی۔ وہ اس ظالم کو مار ڈالے گا اور تخت دوبارہ حضور کے حوالے کر دے گا۔"

نوشیروں نے جب خواب کی تعبیر کا پہلا حصّہ سُنا تو سخت گھبر ایا لیکن امیر حمزہ کے آنے، حشّام سے جنگ کر کے اسے ہلاک کر دینے اور تاج و تخت واپس مل جانے کی خوش خبری سُنی تو بزُرج مِہر سے کہنے لگا:

"خواجہ، میں چاہتا ہوں کہ تم جلد سے جلد مکّے روانہ ہو جاؤ۔ وہاں کے سردار

خواجہ عبدالمطّلب سے جا کر ملو۔ ممکن ہے وہ بچّہ جس کا نام تم نے امیر حمزہ بتایا، اب تک پیدا ہو چکا ہو۔ اسے تلاش کر کے اس کے ماں باپ کو خُوب مال و دولت دینا اور کہنا کہ اس کی پرورش اچھی طرح کریں۔"

"میں آج ہی سفر کی تیاری کرتا ہوں۔" بزُرج مِہر نے کہا۔ "خدا نے چاہا تو میں اس بچّے کو تلاش کر لوں گا۔"

بادشاہ سے رخصت ہو کہ بزُرج مِہر اپنے گھر آیا۔ سفر کا سامان باندھا، مکّے کے امیروں اور دوسرے لوگوں کے لیے قیمتی تحفے بھی ساتھ لیے اور پانچ سو غلاموں اور سپاہیوں کو لے کر مکّے کی جانب روانہ ہو گیا۔

یہ قصّہ اسلام سے پہلے کا ہے۔ اس وقت ایرانی آگ کی پوجا کرتے تھے اور عرب بُتوں کو پوجتے تھے۔

بزُرج مِہر مکّے سے کُچھ فاصلے پر رہ گیا تو ایک جگہ رُک کے ایک خط مکّے کے سردار خواجہ عبدالمطّلب کے نام لکھا اور اپنے خاص غلام کے ذریعے بھیج دیا۔

اس خط میں لکھا تھا:

”جناب عالی۔ آپ پر خدا کی سلامتی ہو۔ میرا نام بزُرج مِہر ہے اور میں ایران کے بادشاہ نوشیرواں عادل کا وزیرِ اعظم ہوں۔ میں ایران کے لوگوں کی طرح آگ کو اپنا خدا نہیں مانتا بلکہ اس دین پر ایمان رکھتا ہوں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام لائے تھے اور وہی دین آپ کا بھی ہے۔ اب میری آرزو ہے کہ خانۂ کعبہ کی زیارت کروں اور آپ سے ملاقات کی سعادت بھی حاصل ہو۔ اگر اجازت ہو تو شہر میں داخل ہو جاؤں؟“

خواجہ عبد المُطّلب نے بزُرج مِہر کا خط پڑھا اور بُہت خوش ہوئے۔ وہ اس سے پہلے بھی بزُرج مِہر کا نام سُن چکے تھے۔ انہوں نے اسی وقت مکّے کے کئی معزز آدمیوں کو ساتھ لیا اور شہر سے باہر گئے جہاں بزُرج مِہر اور اس کے سپاہی پڑاؤ ڈالے پڑے تھے۔ بزُرج مِہر اور خواجہ عبد المُطّلب پرانے دوستوں کی طرح ایک دوسرے سے گلے ملے اور پھر جلوس کی صورت میں مکّے کے اندر داخل ہوئے۔ بزُرج مِہر نے سب سے پہلے خانۂ کعبہ کی زیارت کی اور اس کے گرد

سات چکر لگائے۔ پھر خواجہ عبد المُطّلب اسے اپنے گھر لے گئے اور خُوب خاطر کی۔

جب سورج غروب ہوا اور دوسرے لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تو بزُرج مِہر خواجہ عبد المُطّلب سے کہنے لگے:

”جناب خواجہ صاحب، آپ سے مل کر میں بہت خوش ہُوا ہُوں۔ آپ نے جیسی محبت کا سلوک کیا ہے اس نے مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آپ کا غلام بنا دیا ہے۔ میں نے عربوں کی مہمان نوازی کے قصّے سُنے تھے اور ان پر یقین نہ آتا تھا، لیکن اب اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔ واقعی جو سُنا تھا سب سچ ہے۔ آپ کو اس سے بھی بڑھ کر پایا۔“

خواجہ عبد المُطّلب نے کہا ”بھائی آپ کی جگہ کوئی اور شخص ہوتا تب بھی ہم اس کی ایسی ہی عزّت کرتے۔ میں آپ کی ہر طرح خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ میرے گھر کو اپنا ہی گھر سمجھئے اور جب تک آپ کا جی چاہے یہاں رہیے۔“

دیر تک اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں، آخر بزُرج مِہر نے خواجہ عبد المُطّلب کو نوشیر واں کا خواب اور اس کی تعبیر کا قصّہ سُنایا اور کہا: "وہ لڑکا مکّے کے کسی گھر میں پیدا ہونے والا ہے۔ بادشاہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس کی پیدائش تک مکّے ہی میں رہوں اور جب وہ پیدا ہو جائے تو اس کا نام امیر حمزہ رکھوں۔ یہ وہ لڑکا ہے جس کا نام ساری دنیا میں مشہور ہو گا۔ بڑے بڑے بادشاہوں کو لڑائی میں شکست دے کر ان سے خراج وصول کرے گا اور اس کی طاقت کے سامنے کوئی پہلوان ٹھہر نہ سکے گا۔"

خواجہ عبد المُطّلب یہ سُن کر حیران ہوئے اور کہا: "آپ نے عجیب داستان سُنائی لیکن یہ تو بتایئے کہ آپ اس لڑکے کو پہچانیں گے کیسے؟"

"اس کی پیشانی دیکھ کر۔" بزُرج مِہر نے جواب دیا "میں علمِ نجوم جانتا ہوں اور اسی کے ذریعے میں بتا سکتا ہوں کہ آیندہ ملک عرب میں جتنے بچّے پیدا ہوں گے ان میں سے امیر حمزہ کون ہو گا۔"

بزُرج مِہر کو مکّے میں آئے ہوئے بیس روز گزر گئے۔ اس عرصے میں کسی نہ

کسی گھر میں لڑکا پیدا ہوتا اور اسے بزُرج مِہر کے پاس لایا جاتا مگر وہ اس کی شکل دیکھتے ہی کہہ دیا کہ امیر حمزہ نہیں ہے۔ آخر اکیسویں دن خواجہ عبدالمُطّلب صبح صبح بزُرج مِہر کے پاس آئے اور کہنے لگے:

"خدا کے فضل سے آج میرے گھر میں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ آپ دیکھنا چاہیں تو لے آؤں۔"

"ہاں ضرور لائیے۔" بزُرج مِہر نے کہا۔

چند لمحے بعد خواجہ عبدالمُطّلب ایک خُوبصورت بچّے کو کپڑے میں لپیٹے بزُرج مِہر کے پاس لائے۔ بزُرج مِہر نے جونہی بچّے پر نظر ڈالی، اس کا دل زور سے دھڑکا۔ فوراً تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: "خواجہ عبدالمُطّلب مبارک ہو۔ یہ دولت تم ہی کو ملی۔ یہ وہی لڑکا ہے۔" پھر جھک کر ننھے امیر حمزہ کی پیشانی کو چوما۔ انھیں اپنی گود میں لیا اور دیر تک دیکھتا رہا۔ اس کے بعد خانۂ کعبہ کی طرف مُنہ کر کے امیر حمزہ کی سلامتی کے لیے دُعا مانگی۔ پھر اشرفیوں اور جواہر سے بھری ہوئی بہت سی تھیلیاں خواجہ عبدالمُطّلب کے سپرد کیں

اور کہا۔ ”یہ دولت نوشیر واں نے امیر حمزہ کے لیے بھیجی ہے اور کہا ہے کہ اسی سے اس کی پرورش کی جائے۔“ خواجہ عبد المطّلب نے شکریہ ادا کر کے وہ تھیلیاں لے لیں۔ اس کے بعد شربت تیار کرنے کا حکم دیا۔ لوگ شربت پینا چاہتے تھے کہ بزُرجِ مہر نے ہاتھ کے اشارے سے روکا اور کہنے لگا:

”ذرا رُک جایئے۔ مجھے دو اور لڑکوں کا انتظار ہے۔ انہیں بھی آ لینے دیجئے۔ یہ دونوں لڑکے امیر حمزہ کے وفادار دوست ہوں گے اور زندگی بھر اکٹھے رہیں گے۔“

بھی بزُرجِ مہر نے یہ باتیں پوری ہی کی تھیں کہ خواجہ عبد المطّلب کا ایک خادم جس کا نام بشیر تھا، اپنی گود میں ایک لڑکے کو لیے ہوئے آیا اور ادب سے کہنے لگا:

”آقا، میرے گھر میں بھی آج صبح یہ بچّہ پیدا ہوا ہے۔ دُعا کے لیے آپ کی خدمت میں لایا ہوں۔“

بزُرج مِہر نے جلدی سے اس بچّے کو گود میں لیا۔ اس کی پیشانی بھی چُومی اور کہا ”ہم اس کا نام مُقبِل وفادار رکھتے ہیں۔ یہ لڑکا تیر اندازی کے فن میں یکتا ہو گا اور اس کی کمان سے نکلا ہوا تیر کبھی خالی نہ جائے گا۔“ بزُرج مِہر نے بشیر کو بھی اشرفیوں کی تھیلیاں دیں اور وہ خوشی خوشی اپنے گھر چلا گیا۔ راستے میں اس کی ملاقات امیّہ ضمیری سے ہوئی جو اونٹ چرایا کرتا تھا۔ اُمیّہ نے دیکھا کہ بشیر بڑا خوش ہے اور اشرفیوں کی تھیلیاں ہوا میں اُچھالتا جا رہا ہے۔ حیرت سے پوچھنے لگا:

”یہ اشرفیاں کہاں سے چُرا کر لایا ہے؟ سچ سچ بتا، ورنہ ابھی جا کر خواجہ عبدالمُطّلب سے کہتا ہوں۔“

”میرے گھر میں آج لڑکا ہُوا ہے۔ بزُرج مِہر نے اسی لیے انعام میں یہ اشرفیاں دی ہیں۔ خواجہ عبدالمُطّلب کے ہاں بھی لڑکا ہوا ہے، بزُرج مِہر نے انہیں بھی بہت سی اشرفیاں دی ہیں۔ اگر تیرے گھر میں لڑکا ہوا ہے تو تُو بھی اسے وہاں لے جا۔ دیر نہ کر ورنہ اشرفیاں ختم ہو جائیں گی۔“

یہ سُن کر اُمیّہ نے اونٹوں کو وہیں چھوڑا اور دوڑتا ہوا گھر کی طرف گیا۔ رات کو اس کے ہاں بھی لڑکا پیدا ہوا تھا اور لڑکے کی ماں کُچھ دیر بعد مر گئی تھی۔ اب اُمیّہ پریشان تھا کہ لڑکے کی پرورش کس طرح ہو گی، کیوں کہ اس کے پاس اتنا روپیہ نہیں تھا کہ کسی عورت کو دودھ پلانے کے لیے رکھتا۔ گھر آ کر جلدی سے روتے ہوئے بچّے کو کپڑے میں لپیٹا اور بھاگم بھاگ عبد المُطّلب کے پاس آیا۔

بزُرج مِہر نے اس لڑکے کی شکل دیکھی تو بے اختیار ہنس پڑا اور خواجہ عبد المُطّلب سے کہا "یہ وہ بچّہ ہے جو چالاکی، پھُرتی اور عیّاری میں بے مثال ہو گا۔ بڑے بڑے بادشاہ سپہ سالار اور پہلوان اس سے ڈریں گے اور جو یہ کہے گا، وہ مانیں گے۔ ایسے ایسے حیرت انگیز اور مشکل کام یہ اکیلا ہی کرے گا جو کسی اور سے نہ ہوں گے۔ یہ امیر حمزہ پر ہر وقت اپنی جان نثار کرنے کے لیے تیار ہو گا۔ میں اس کا نام عُمرو رکھتا ہوں۔ قیامت تک اسے عُمرو عیّار کہہ کر پکارا جائے گا۔۔۔"

ابھی بزُرج مِہر نے بات پُوری نہ کی تھی کہ عُمرو رونے لگا اور ایسا گلا پھاڑ کر رویا کہ کوشش کے باوجود چُپ نہ ہوا۔ آخر بزُرج مِہر نے اپنی انگلی چوسنے کے لیے اس بچّے کے مُنہ میں دی تب چُپ ہوا۔ مگر اس نے چُپکے سے بزُرج مِہر کی اُنگلی سے ہیرے کی ایک قیمتی انگوٹھی اُتار کر اپنے دائیں گال میں دبالی۔

اب خواجہ عبدالمُطّلب کے اشارے پر خادم سب کو شربت پلانے لگے۔ شربت پیتے وقت بزُرج مِہر کی نظر اپنی انگلی پر پڑی تو انگوٹھی غائب۔ سخت پریشان ہوا کہ انگوٹھی کہاں گئی۔ اِدھر اُدھر ڈھونڈا۔ دیکھا بھالا، مگر کہیں پتا نہ چلا۔ آخر بے چارہ صبر کر کے خاموش ہو رہا اور انگوٹھی کے کھو جانے کا ذکر کسی سے نہ کیا۔ شربت کا پیالہ دوبارہ اُٹھا کر پینے لگا تو خیال آیا کہ چند قطرے ننھّے عُمرو کے مُنہ میں بھی ٹپکائے جائیں۔ اس کا منہ کھولا تو دیکھا کہ دائیں گال میں انگوٹھی دبی ہوئی ہے۔ بزُرج مِہر نے خواجہ عبدالمُطّلب کو سارا قصّہ سُنایا اور کہا:

”دیکھ لیجیے۔ یہ اس کی پہلی شرارت ہے۔“

بزُرج مِہر نے اشرفیوں سے بھری ہوئی کئی تھیلیاں عُمرو کے باپ اُمیّہ کو دیں اور کہا کہ اپنے بیٹے کو لے جاؤ اور اچھی طرح اس کی پرورش کر۔ جب یہ اشرفیاں ختم ہو جائیں تو خواجہ عبد المُطّلب سے کہنا، وہ تجھے اور دے دیں گے۔ یہ سن کر اُمیّہ نے ہاتھ باندھ کر ادب سے کہا "جناب اس کی تو ماں مر گئی ہے۔ اب مجھ سے اس کی دیکھ بھال کیسے ہو گی۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ خواجہ عبد المُطّلب کا خادم بشیر دوبارہ اپنے بیٹے کو لے کر آیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ کہنے لگا "حضور، اس بچّے کی ماں نے ابھی انتقال کیا۔ اب بتایئے میں اسے کیسے پالوں گا۔"

خواجہ عبد المطلب بھی بول اٹھے "میں نے آپ کو اس لیے نہیں بتایا تھا کہ رنج ہو گا۔ ورنہ سچ بات تو یہ ہے کہ حمزہ کی ماں بھی اس کی پیدائش کے فوراً بعد مَر گئی تھی یہ تینوں بن ماں کے بچّے ہیں۔ کوئی ایسا انتظام ہونا چاہیے کہ ایک ہی عورت انھیں دودھ پلائے اور ان کی پرورش کرے۔"

بزُرج مِہر نے اسی وقت علمِ نجوم کے ذریعے معلوم کیا اور خواجہ عبد المُطّلب

سے کہا:

”آپ کے ملک میں معدی کرب نام کا ایک زبردست پہلوان ہے۔ اس کی ماں کا نام عادیہ ہے۔ اس عورت کے سوا ان بچّوں کو کوئی اور عورت دودھ نہیں پلا سکتی۔ عادی بڑی نیک عورت ہے۔ آپ اسے بلوا کر بچّوں کو اس کے حوالے کر دیں۔“

خواجہ عبد المُطّلب نے اسی وقت آدمی بھیج کر عادیہ کو بُلوایا اور امیر حمزہ، عُمرو اور مُقبِل وفادار کو اس کے سپُرد کیا۔

چھ دن بعد بزُرج مِہر نے خواجہ عبد المطلب سے کہا کہ آج رات آپ امیر حمزہ کا پنگوڑا اپنے مکان کی چھت پر رکھوا دیجئے۔ کوہ قاف کے پیچھے پریوں اور دیووں کے بادشاہ کی حکومت ہے۔ اس بادشاہ کا نام شہ پال ہے۔ وہ امیر حمزہ کو دیکھنا چاہتا ہے، ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ امیر حمزہ کو کوئی نقصان نہ پہنچائے گا۔ کل صبح کو آپ کا بیٹا پنگوڑے سمیت مکان کی چھت پر واپس آجائے گا۔

خواجہ عبدالمُطّلب نے ایسا ہی کیا اور اگلے روز صبح امیر حمزہ کا پنگوڑا مکان کی چھت پر رکھوادیا اور سب سے کہہ دیا کہ خبردار کوئی شخص چھت پر جائے۔

اب تھوڑا سا حال دیووں اور پریوں کے بادشاہ شہ پال کا سُنئے۔ وہ حضرت سلیمان کے تخت پر بیٹھا حکومت کرتا تھا۔ اٹھارہ بادشاہ اسے خراج ادا کرتے اور اس کا حکم مانتے تھے۔ اس کے علاوہ لاکھوں جِن پریاں اور دیو اس کے غلام تھے۔ اس کی قوّت کا کوئی ٹھکانا نہ تھا لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ کسی پر ظلم نہ کرتا۔ ہر ایک سے انصاف کرتا۔ وہ بڑا نیک اور عبادت گزار بادشاہ تھا۔

ایک دن بادشاہ شہ پال کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام آسمان پری رکھا گیا۔ بادشاہ نے اپنے سب سے بڑے وزیر عبدالرحمان کو طلب کیا اور کہا کہ اس کی کی قسمت کا حال بتاؤ۔ عبدالرحمان نے علمِ نجوم کے ذریعے لڑکی کی قسمت کا حال معلوم کیا اور بادشاہ سے کہا۔

”حضور یہ لڑکی بڑی مبارک قدم ہے اور خوش نصیب بھی۔ آپ کے بعد

اٹھارہ برس تک بڑی شان و شوکت سے حکومت کرے گی اور کسی کو سر اٹھانے کا موقع نہ دے گی۔ مگر اٹھارہ برس کے بعد اسے ایک پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ دوسرے بادشاہ اور سردار سب اس کے دشمن ہو جائیں گے اور چاروں طرف سے حملہ کر کے اس تخت چھین لیں گے۔تب ایک آدم زاد یہاں آئے تھا۔ وہ شہزادی کے دُشمنوں سے جنگ کر کے سب کو موت کے گھاٹ اُتارے گا اور تخت دوبارہ شہزادی کو ملے گا۔"

بادشاہ شہ پال یہ سن کر خوش ہوا اور عبدالرحمان سے کہنے لگا۔"اب یہ معلوم کرو کہ وہ آدم زاد پیدا ہوا یا نہیں؟ اگر پیدا ہوا تو کس ملک میں ہے؟" عبدالرحمان نے دوبارہ حساب لگایا اور خوش ہو کر بولا:

"جہاں پناہ، مبارک ہو۔ ملک عرب کے ایک شہر میں خواجہ عبدالمُطّلب کے گھر وہ لڑکا پیدا ہو چکا ہے اور ابھی ابھی اس کا پنگوڑا مکان کی چھت پر رکھا گیا ہے۔"

بادشاہ نے تالی بجائی۔ فوراً پریوں کا ایک گروہ حاضر ہوا۔ بادشاہ نے حکم دیا:

”ابھی ملک عرب کے شہر مکّے جاؤ خواجہ عبدالمُطّلب کے مکان کی چھت پر پنگوڑا رکھا ہوگا۔ اس میں ایک بچّہ لیٹا ہوا ہے۔ اسے حفاظت سے یہاں لے آؤ۔“

پریاں سلام کر کے رخصت ہوئیں اور پلک جھپکتے میں امیر حمزہ کا پنگوڑا بادشاہ شہ پال کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ ایک نہایت خُوبصورت لڑکا لیٹا انگوٹھا چوس رہا ہے، اسے محبت سے اُٹھایا۔ پیشانی چومی، سلیمانی سُرمہ منگوا کر بچّے کی آنکھوں میں لگایا اور کہا ”یہ بچّہ جوان ہو کر ایسا شہ زور اور بہادر نکلے گا کہ کسی سے خوف نہ کھائے گا بلکہ سب اس سے ڈریں گے۔“ عبد الرحمان نے کہا ”حضور نے سچ کہا اور اب میرا علم بتاتا ہے کہ اس بچّے کی شادی بھی آپ کی بیٹی شہزادی آسمان پری سے ہو گی۔“

اب تو بادشاہ شہ پال کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ بار بار امیر حمزہ کو سینے لگا کر پیار کرتا۔ حکم دیا کہ ایک نیا پنگوڑا اس بچّے کے لیے بنایا جائے۔ وہاں چند لمحوں میں ایک خُوبصورت پنگوڑا آ گیا۔ اس کے پائے زُمّرد اور پٹّیاں یاقوت کی

تھیں اور طرح طرح کے سینکڑوں ہیرے جواہرات اس کے چاروں طرف جھالر میں لگائے گئے تھے۔ شہ پال نے امیر حمزہ کو اس پنگوڑے میں لٹایا اور بہت سے ہیرے جواہرات ریشم میں لپیٹ کر امیر حمزہ کے سرہانے رکھے۔ اس کے بعد پریوں کو حکم دیا گیا کہ یہ پنگوڑا جہاں سے لیا گیا ہے، وہیں لے جا کر رکھ دیا جائے۔ پریوں نے امیر حمزہ کا پنگوڑا دوبارہ ان کے مکان کی چھت پر لے جا کر رکھ دیا۔

دوسرے دن صبح کو خواجہ عبد المُطّلب مکان کی چھت پر گئے تو ایک نیا پنگوڑا نظر آیا۔ امیر حمزہ اس میں لیٹے تھے۔ انہوں نے والد کی صورت دیکھی تو لگے کلکاریاں مارنے۔ خواجہ عبد المطلب پنگوڑے کو دیکھ کر حیران ہوئے لیکن کسی سے کچھ نہ کہا۔ ہاں بزُرج مِہر سے ضرور ذکر کیا۔ اس نے بھی پنگوڑا دیکھا اور کہا کہ یہ کوہ کاف کے بادشاہ شہ پال نے امیر حمزہ کے لیے بنوایا ہے۔ آپ اسی میں اپنے بیٹے کو لٹایا کیجیے۔ چند دن بعد بزُرج مِہر نے خواجہ عبد المُطّلب سے اجازت لی اور ایران کی طرف روانہ ہوا۔

عُمرو کی شرارتیں

امیر حمزہ، مُقبِل وفادار اور عُمرو تینوں لڑکے اب عادیہ اور خواجہ عبدالمطلب کی نگرانی میں پرورش پانے لگے اور اسی طرح دو سال گزر گئے۔ تینوں بچّے اب گھٹنوں چلنے لگے تھے۔ عُمرو نے یہ کام شروع کیا کہ چپکے سے پاس پڑوس کی عورتوں کے زیور چُرا کر عادیہ کے صندوقچے میں چھُپا دیتا۔ بے چاری عورتیں شور مچاتیں کی ہمارا زیور چُوری ہو گیا۔ کوئی کہتی میری انگوٹھی گم ہو گئی اور کوئی کہتی کہ کان کی بالی کسی نے اُتار لی۔ جب تلاش کرتیں تو ساری چیزیں عادیہ کے صندوقچے سے نکل آتیں۔ وہ شرمندہ ہوتی اور قسم کھاتی

کہ میں نے یہ زیور نہیں چُرائے۔ مگر کسی کو عادیہ کی قسم کا یقین نہ آتا۔ آخر وہ سب میں چور مشہور ہو گئی۔

پانچ سال کی عمر تک عُمرو ایسی ہی شرارتیں اور چوریاں کرتا رہا۔ اپنے سے دُگنی عُمر کے بچّوں سے لڑ پڑتا۔ کبھی خود پٹتا اور کبھی اُن کو لہو لہان کر کے آتا۔ اس کی شرارتوں کی وجہ سے سب پریشان تھے۔ مگر خواجہ عبدُالمطّلب کی وجہ سے کوئی کُچھ نہ کہتا۔

ایک روز کسی نے خواجہ عبدُالمطّلب سے کہا کہ تینوں لڑکے بڑے ہو گئے ہیں۔ اب ان کی پڑھائی لکھائی کا بندوبست کیا جائے، یہ تجویز خواجہ عبدُالمطّلب کو پسند آئی۔ محلّے میں ایک چھوٹا سا مدرسہ تھا جہاں ایک موٹا تازہ اور بدصورت اُستاد بچّوں کو پسند کرتا تھا۔ اس کی عادت تھی کہ جو بچّہ سبق یاد نہ کرتا اُسے بے دردی سے مارا پیٹتا۔ اس کے علاوہ وہ بچّوں سے اپنے گھر کے تمام کام بھی کرایا کرتا تھا۔

خواجہ عبدُالمطّلب تینوں لڑکوں کو صاف ستھرے کپڑے پہنا کر مدرسے میں

لے گئے اور اُستاد کے حوالے کر دیا۔ اس روز تمام بچّوں میں مٹھائی بانٹی گئی۔ اُستاد نے پہلے امیر حمزہ اور مُقبِل وفادار کو سبق پڑھایا اور اُنھوں نے فوراً سبق پڑھ کر یاد کر لیا۔ اب عُمرو کی باری تھی۔ اُستاد نے اس دُبلے پتلے لڑکے کو دیکھا۔ اسے اس لڑکے کی آنکھوں اور چہرے پر شرارت کے آثار نظر آئے، لیکن عُمرو ادب سے گردن جھکائے بیٹھا رہا۔ آخر اُستاد نے کہا:

"پڑھو بیٹا الف۔"

عُمرو نے بھی کہا "پڑھو بیٹا الف۔"

یہ سُن کر سب بچّے ہنسے۔ اُستاد نے اُنھیں زور سے ڈانٹا پھر عُمرو کی طرف دیکھ کر کہا:

"کہو بیٹا الف۔"

"کہو بیٹا الف" عُمرو نے بھی اسی طرح اُستاد کی نقل اُتاری۔ اب تو اُستاد سخت ناراض ہُوا۔ سمجھ گیا کہ لڑکا بے حد شریر ہے۔ جی چاہا کہ بید مارے مگر کُچھ

سوچ کر نرمی سے کہا: "ہاں، کہو الف۔"

"ہاں، کہو الف۔" عُمرو نے کہا اور شرارت سے اُستاد کی طرف دیکھ کر ہنس پڑا۔

یہ حرکت اُستاد کو طیش میں لانے کے لیے کافی تھی۔ اُس نے اُلٹے ہاتھ کا ایسا طمانچہ عُمرو کے گال پر مارا کہ وہ لڑھکتا ہُوا دُور جا گرا۔ پھر جو اس نے حلق پھاڑ کر رونا شروع کیا ہے تو ایک گھنٹے تک روتا رہا۔ آخر اس کے رونے سے اُستاد بھی تنگ آ گیا اور لگا خوشامد کرنے۔ مگر وہ جتنی خوشامد کرتا۔ عُمرو کے رونے کی آواز اتنی اونچی ہو جاتی۔ آخر اُستاد نے امیر حمزہ اور مُقبِل وفادار سے کہا:

"تم اپنے اس دوست کو سمجھاؤ۔ اس نے رُو رُو کر سارا مدرسہ سر پر اُٹھا لیا ہے۔ راہ چلتے لوگ بھی کھڑے ہو گئے ہیں اور میری طرف گھور گھور کر دیکھ رہے ہیں۔ اگر عُمرو چُپ نہ ہوا تو لوگ مجھے آ کر ماریں گے اور اپنے بچّوں کو بھی مدرسے سے اُٹھا کر لے جائیں گے۔"

اُستاد کے کہنے سے امیر حمزہ اور مُقبِل نے عُمرو کو سمجھایا۔ تب اس نے رونا بند کیا اور ایک کونے میں بیٹھ کر دُوسرے بچّوں کا مُنہ چڑانے لگا۔ بچّوں نے اُستاد سے شکایت کی کہ عُمرو ہمارا مُنہ چڑاتا ہے اُستاد اُسے مارنے کے لیے اُٹھا تو عُمرو نے پھر بھوں بھوں کر کے رونا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر اُستاد دانت پیستا ہوا اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

کئی دن گزر گئے۔ عُمرو نے اُستاد کی کوشش کے باوجود سبق نہ پڑھا بلکہ ایسی شرارتیں کیں کہ امیر حمزہ، مُقبِل وفادار اور دُوسرے بچّوں کی پڑھائی میں بھی رکاوٹ ڈال دی۔ مدرسے کے بچّوں نے جب دیکھا کہ عُمرو کو شرارتوں پر کوئی سزا نہیں ملتی تو وہ بھی اس کی دیکھا دیکھی گُستاخ اور شریر ہو گئے۔ اب تو اُستاد سخت پریشان ہُوا۔ سیدھا خواجہ عبدُالمطّلب کے پاس پہنچا اور کہنے لگا:

”جناب، اُمیّہ کا بیٹا عُمرو بڑا شریر ہے۔ اس نے شرارتیں کر کر کے مجھے پاگل کر دیا ہے، خود پڑھتا ہے نہ دوسروں کو پڑھنے دیتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ اُسے نہ بھیجا کریں۔“

غریب اُستاد کی فریاد سُن کر خواجہ عبدُالمطّلب اُٹھے اور اس کے ساتھ مدرسے میں آئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ عُمرو ادب سے بیٹھا سبق یاد کر رہا ہے۔ اُنھوں نے اُستاد سے کہا:

”آپ تو کہتے تھے کہ عُمرو خود پڑھتا ہے نہ کسی کو پڑھنے دیتا ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ وہ اپنا سبق یاد کر رہا ہے۔“

”جنابِ عالی یہ بھی اس کی شرارت ہے۔ آپ کو آتے دیکھا تو جھوٹ مُوٹ سبق یاد کرنے لگا۔ آپ لڑکوں سے پُوچھ لیجئے۔ وہ بتائیں گے کہ یہ کیسی حرکتیں کرتا ہے۔“

خواجہ عبدُالمطّلب نے لڑکوں سے عُمرو کے بارے میں پُوچھا۔ سب نے کہا کہ یہ بہت شیطان ہے۔ سوائے کھیل کُود اور مار دھاڑ کے کُچھ نہیں کرتا۔

اب تو خواجہ صاحب کو بھی غصّہ آیا۔ دو تھپڑ عُمرو کے مارے اور اسے مدرسے سے گھسیٹ کر لے جانا چاہا۔ مگر امیر حمزہ اور مُقبِل وفادار خواجہ صاحب کی

ٹانگوں سے لپٹ گئے اس رو رو کر کہنے لگے:

"اگر آپ ہمارے بھائی عُمرو کو لیے جاتے ہیں تو ہم بھی نہیں پڑھیں گے۔"

خواجہ صاحب نے امیر حمزہ اور مُقبِل وفادار کو بڑا سمجھایا لیکن وہ عُمرو سے الگ ہونے کے لیے کسی طرح آمادہ نہ ہوئے۔ مجبور ہو کر انھوں نے اُستاد سے کہا کہ اب کیا کِیا جائے۔ یہ لڑکے تو رو رو کر ہلکان ہوئے جاتے ہیں۔ عُمرو کان دبائے الگ کھڑا تھا۔ خواجہ عبد المُطّلب نے اس سے کہا:

"عُمرو شرارتیں چھوڑ دے اور بھلا آدمی بن جا، ورنہ مار مار کر چمڑی اُدھیڑ دوں گا۔"

عُمرو نے اپنے اُستاد اور خواجہ صاحب سے معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ آیندہ شرارت نہ کروں گا اور پڑھنے لکھنے میں دھیان دُوں گا۔ خواجہ چلے آئے۔

کئی دن خیریت سے گزر گئے۔ عُمرو نے کوئی شرارت نہ کی بلکہ محنت سے سبق یاد کیا۔ اُستاد کو اطمینان ہو گیا کہ اب یہ شرارت نہیں کرے گا۔ مگر

اس بے چارے کو کیا خبر کہ عُمرو دل ہی دل میں نئی نئی شرارتیں سوچ رہا ہے۔

مدرسے میں پڑنے والے لڑکے اپنے گھروں سے کھانا لاتے اور جب دوپہر کو دو گھنٹے کی چھٹی ملتی تو ایک گھنٹے تک سوتے اور جاگنے کے بعد کھا کر پھر پڑھائی میں لگ جاتے۔ ایک دن عُمرو نے یہ حرکت کی کہ لڑکوں کو خرّاٹے لیتا دیکھ کر اُٹھا۔ سب کا کھانا اُستاد کے حجرے میں اس کے بستر کے نیچے چھُپا کر چلا آیا اور خود بھی سو گیا۔ ایک گھنٹے بعد لڑکے جاگے اور انہوں نے کھانا تلاش کیا تو سب برتن غائب۔ انہوں نے اُستاد سے شکایت کی۔ وہ بڑا حیران ہوا۔ کہنے لگا ''یہ عُمرو کی شرارت ہے۔ اس کے علاوہ ایسی حرکت کوئی نہیں کر سکتا۔'' لیکن عُمرو کہنے لگا ''مُجھے کیا خبر۔ میں تو سو رہا تھا۔'' پھر اس نے لڑکوں سے کہا کہ اُستاد صاحب کی کوٹھڑی میں دیکھو۔ کھانا وہیں مِلے گا۔ یہ کہہ کر خود بھی اُٹھا اور سیدھا اُستاد کی کوٹھڑی میں جا گھُسا۔ لڑکے اس کے ساتھ ساتھ تھے۔ اِدھر اُدھر سامان اُلٹ پلٹ کر کے اُستاد کا بستر دیکھا بھالا تو کھانے سے

بھرے ہوئے سب برتن وہاں موجود تھے۔ لڑکوں نے یہ دیکھ کر شور مچایا کہ اُستاد خود چوری کرتے ہیں اور دوسروں کا نام لگاتے ہیں۔۔۔ لڑکوں کا شُور سُن کر چند راہگیر بھی آ گئے اور انہوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ عُمرو جھٹ سے بُول اُٹھا:

"ہمارے اُستاد بھی عجیب آدمی ہیں۔ خود لڑکوں کا کھانا چُرا کر اپنے بستر میں چھُپا دیتے ہیں اور نام میرا لیتے ہیں کہ میں نے یہ حرکت کی ہے۔" بے چارہ اُستاد ہکّا بکّا کھڑا عُمرو کی شکل دیکھ رہا تھا۔ راہ گیروں نے بھی اسے شرمندہ کیا اور کہا "اُستاد ہی چوری کرے گا تو شاگرد تو پکّے ڈاکو نکلیں گے۔"

اُستاد نے قسمیں کھائیں کہ کھانا میں نے ہرگز نہیں چُرایا اور یہ عُمرو کی شرارت ہے مگر کسی نے اس کا اعتبار نہ کیا۔ آخر وہ طیش میں آیا اور بید لے کر عُمرو کی طرف گیا۔ ابھی تین چار بید ہی مارے تھے کہ عُمرو نے اپنا قصور مان لیا اور کہا "یہ حرکت میں نے ہی کی تھی۔"

عُمرو اب اُستاد کا دشمن ہو گیا اور ہر وقت بدلہ لینے کی فکر میں لگا رہتا۔ ایک دن

موقع مل گیا۔چُپکے سے اُستاد کی قیمتی پگڑی اٹھائی اور سیدھا حلوائی کی دکان پر پہنچا۔ اس سے کہا کہ اُستاد نے اپنی پگڑی بھیجی ہے اور کہا ہے کہ پانچ روپے کی مِٹھائی دے دو۔ کل پیسے دے کر پگڑی واپس منگا لوں گا۔ حلوائی نے پگڑی لے کر مٹھائی ایک ٹوکرے میں رکھی اور عُمرو کے حوالے کی۔ عُمرو ٹوکرا لے کر مدرسے میں آیا۔ دو پہر ہو چکی تھی۔ سب لڑکے اور اُستاد گہری نیند سو چکے تھے۔ عُمرو نے ٹوکری اُستاد کے سرہانے رکھی اور خود بھی سو گیا۔

تیسرے پہر آنکھ کھلی تو اُستاد نے اپنے سرہانے مٹھائی کی ٹوکری دیکھی۔ قریب ہی عُمرو بیٹھا تھا، اس سے پوچھا "کیوں عُمرو تمہیں معلوم ہے یہ ٹوکری کون لایا ہے؟"

"جناب میرے والد صاحب لائے تھے۔ بہت دیر بیٹھے رہے مگر آپ سو رہے تھے۔ آخر مجھ سے کہہ کر چلے گئے کہ اپنے استاد کی خدمت میں پیش کر دینا۔"

یہ سُن کر اُستاد صاحب بہت خوش ہوئے ۔ ٹوکری کھولی تو مُنہ میں پانی بھر

آیا۔ انہوں نے ایک ایک دانہ لڑکوں کو دیا اور دو تین دانے خود کھا کر ٹوکری اپنی کوٹھڑی میں لے جا کر رکھ دی کر شام کو گھر لے جائیں گے۔

شام ہوئی تو اُستاد صاحب نے لڑکوں کو چھٹی دے دی اور خود بھی گھر جانے کی تیاری کرنے لگے، مگر اب جو پگڑی تلاش کرتے ہیں تو کہیں نہیں ملتی۔ اِدھر ڈھونڈا اُدھر دیکھا، مگر پگڑی کہیں نظر نہ آئی۔ بڑے پریشان ہوئے لڑکوں کو پہلے ہی چھٹی دے چکے تھے، پوچھتے کس سے۔ آخر ایک چادر سر سے لپیٹی اور گھر کی طرف چلے۔ مٹھائی کی ٹوکری ہاتھ میں تھی۔ بازار میں سے گزرے تو حلوائی نے آواز دی:

"جناب اُستاد صاحب، آپ سے ایک بات کہنی ہے۔"

"کیا بات ہے؟" اُستاد نے حلوائی سے پوچھا۔ حلوائی نے پگڑی نکال کر سامنے رکھی اور کہنے لگا: "حضور آپ پر ہمیں پورا پورا اعتبار ہے۔ پگڑی بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ جب چاہے مٹھائی منگا لیا کیجے۔"

اُستاد صاحب نے اپنی پگڑی دیکھی تم ان کا خون کھَول اُٹھا۔ کہنے لگے:

"بھائی، یہ تو بتاؤ کہ پگڑی تمہارے پاس کون لایا تھا اور تم نے مٹھائی کتنے کی دی تھی؟"

"جناب، آپ کا ایک شاگرد پگڑی لایا۔ اس کا نام شاید عُمرو ہے۔ اُمیّہ کا لڑکا ہے۔ پانچ روپے کی مٹھائی ٹوکری میں بندھوا کر لے گیا تھا۔"

اُستاد نے کُچھ اور نہ کہا۔ جیب سے پانچ روپے نکال کر حلوائی کو دیے، پگڑی سر پر رکھی اور دل ہی دل میں عُمرو کو کوستے ہوئے گھر پہنچے۔

ساری رات غم اور غصّے کے مارے اُستاد کو نیند نہ آئی۔ کئی بار بیوی نے پوچھا کہ معاملہ کیا ہے۔ لیکن انہوں نے کچھ نہ بتایا۔ اگر اس وقت عُمرو ان کے ہاتھ لگ جاتا تو نہ جانے اس ساتھ کیا سلوک کرتے۔ رہ رہ کر دانت پیستے اور بڑبڑاتے تھے:

"ٹھہر جا، بچّو جاتا کہاں ہے۔ صبح مدرسے میں کسی طرح آ جا۔ پھر تیری وہ

درگت بناؤں گا کہ ساری عمر یاد رکھے۔"

عُمرو سے انتقام لینے کی دھن میں اُستاد مُنہ اندھیرے مدرسے میں آ پہنچے۔ آہستہ آہستہ سب لڑکے بھی آئے۔ پھر خواجہ عبدالمطلب کے ساتھ امیر حمزہ، مُقبِل وفادار اور عُمرو بھی آتے دِکھائی دیے۔ خواجہ صاحب کے اشارے پر عُمرو نے جھک کے اُستاد کے پاؤں پکڑ لیے اور اپنی خطا کی معافی مانگی۔ خواجہ عبدالمطلب نے جیب سے دس روپے نکال کر اُستاد کو دیئے اور کہا:

"پانچ روپے کی مٹھائی کے اور پانچ روپے میری جانب سے قبول فرمایئے۔ میں حمزہ کی سفارش پر آیا ہوں۔ عُمرو نے سارا قصّہ اپنے دوستوں کو سُنایا، انہوں نے مجھ سے کہا کہ اب اُستاد عُمرو کی بری طرح ٹھکائی کریں گے، اس لیے میں ساتھ چل کر عُمرو کو معافی دلا دوں۔ اسے معاف کر دیجئے۔ آیندہ شرارت کرے گا تو میں خود اس کی ہڈیاں توڑ دوں گا۔" غرض انہوں نے ایسی باتیں کیں کہ اُستاد کا سارا غصّہ جاتا رہا۔ انہوں نے عُمرو کو معاف کیا اور

کہا اس دفعہ خواجہ صاحب کی سفارش پر سزا دیے بغیر چھوڑ دیتا ہوں لیکن آیندہ ہرگز معاف نہ کروں گا۔

پندرہ روز گزر گئے۔ عُمرو نے اس دوران میں کوئی شرارت نہ کی، بلکہ ایسا نیک اور سیدھا بن گیا کہ اُستاد کو اس کی یہ حالت دیکھ کر حیرت ہوئی۔ شرارت کرنا تو ایک طرف رہا وہ دوسرے شریر بچّوں کو بھی روکتا تھا۔ اب اُستاد اس سے بہت خوش ہوئے اور انھوں نے آہستہ آہستہ عُمرو سے اپنے گھر کے کام لینے شروع کیے۔

ایک دن کسی لڑکے کا باپ نہایت عمدہ کھانا پکوا کر اُستاد کے لیے لایا۔ اُستاد نے عُمرو کو بلایا اور کہا "عُمرو اِدھر آ، دیکھ یہ کپڑے میں بندھی ہوئی ایک ٹوکری ہے، اسے ہمارے گھر لے جا۔ خبردار، راستے میں ہرگز نہ کھولنا۔ اس میں مرغ بند ہے اگر تو نے کھولا تو نِکل کر بھاگ جائے گا۔"

"جناب، میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ ٹوکری کھول کر مرغ کو بھگا دوں۔" عُمرو نے جواب دیا۔ "آپ اطمینان رکھیے۔ میں یہ سامان حفاظت

سے آپ کے گھر پہنچادوں گا۔"

یہ کہہ کر باہر نِکلا اور اُستاد کے گھر کی طرف چلا۔ کُچھ دور جا کر اس نے ٹوکری کھولی۔ کھجوروں کے حلوے اور بھُنے ہوئے گوشت کی خوشبوناک میں پہنچی۔ بے چین ہو گیا۔ سوچے سمجھے بغیر سارا کھانا جھٹ پٹ ہڑپ کیا۔ کچھ ہڈیاں بچیں تو وہ کتّوں کے آگے ڈال دیں۔ پھر ٹوکری کو اسی طرح کپڑے میں باندھا اور اُستاد کے گھر کا دروازہ جا کھٹکھٹایا۔ اُستاد کی بیوی دروازے پر آئی اور پوچھے لگی:

"اے لڑکے کہاں سے آیا ہے اور تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟"

"امّاں جان میں مدرسے سے آیا ہوں۔ عُمرو میرا نام ہے۔ اُستاد نے یہ کھانا بھیجا ہے اور کہ جب تک میں نہ آجاؤں، اسے ہر گز نہ کھولنا۔ اور ہاں، انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ آج شام کا کھانا پکانے کی ہر گز ضرورت نہیں۔"

اُستاد کی بیوی نے ہاتھ بڑھا کر ٹوکری لے لی۔ عُمرو نے سلام کیا اور چلا آیا۔

مدرسے میں پہنچ کر اُستاد سے کہا کہ ٹوکری گھر پہنچا دی ہے۔

"تو نے اُسے کھولا تو نہیں تھا؟" اُستاد نے عُمرو کی طرف غور سے دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں جناب، میں بھلا کیوں کھولتا۔" عُمرو نے معصوم سا چہرہ بنا کر جواب دیا۔

"اچھا آج تیری چھٹّی۔" اُستاد نے کہا اور عُمرو اُچھلتا کودتا باہر چلا گیا۔

شام کو اُستاد نے وقت سے کچھ پہلے ہی لڑکوں کو چھٹی دے دی اور خود مزے دار کھانے کی دُھن میں جلدی جلدی گھر پہنچے۔ بھُوک کے مارے بُرا حال تھا۔ بیوی سے پوچھا:

" آج کیا پکایا ہے ۔"

"کچھ نہیں پکایا۔ تُم نے کہلا بھیجا تھا کہ کھانا مت پکانا ۔"

"میں نے کہلا بھیجا تھا؟" اُستاد نے حیرت سے کہا۔

"افوہ، تم بھی عجیب باتیں کرتے ہو۔ خود ہی تو عُمرو کو ٹوکری دے کر بھیجا اور کہلایا کہ کھانا مت پکانا اور اب ایسی اُلٹی باتیں کر رہے ہو۔"

اُستاد نے ایک لمحے کے لئے سوچا۔ سمجھ گئے کہ عُمرو نے شرارت کی ہے، مگر اس جھوٹ میں فائدہ ہی رہا۔ کھانا پکتا تو خواہ مخواہ ضائع جاتا۔ ٹوکری خاصی بھاری ہے، اس میں ضرورت سے زیادہ کھانا ہو گا۔

"اچھا، تم اس ٹوکری میں سے کھانا نکال کر گرم کرو۔ میں اتنے میں ہاتھ منہ دھولوں۔" اُستاد نے کہا۔

"تم خود ہی گرم کرلو۔" بیوی نے ناراض ہو کر کہا۔ "میں تو ٹوکری کو ہاتھ تک نہ لگاؤں گی، تم نے یہ کیوں کہلایا تھا کہ میرے آنے سے پہلے ٹوکری ہرگز نہ کھولی جائے؟ کیا میں اتنی ندیدی ہوں کہ کھانا چُرا کر کھا جاتی؟"

"تم سمجھتی تو ہو نہیں۔ بے کار لڑتی ہو۔" اُستاد نے جھلّا کر کہا۔ "وہ تو میں نے ایک چال چلی تھی۔ تمہیں معلوم ہے کہ عُمرو کیسا شریر ہے۔ راستے میں

ٹوکری ضرور کھولتا اور کھانا ہڑپ کر جاتا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ ٹوکری میں مرغا بند ہے۔ اگر اسے کھولا تو مرغا نکل کر بھاگ جائے گا۔"

یہ کہہ کر اُستاد نے ٹوکری اٹھائی تو وزن میں کُچھ ہلکی محسوس ہوئی۔ دل دھک دھک کرنے لگا۔ کانپتے ہاتھوں سے اس پر بندھا ہوا کپڑا کھولا اور ہر تن دیکھے تو سب خالی۔۔۔۔ اپنا سر پیٹ لیا اور برتن اس زور سے اٹھا کر دیوار پر مارے کہ کچّی دیوار دھڑام سے گر گئی۔ پڑوسیوں نے سمجھا کہ زلزلہ آ گیا۔ سب چیختے چلّاتے باہر گلی میں نکل آئے۔ آخر اُستاد نے انہیں بتایا کہ زلزلہ نہیں آیا۔ خالی برتن دیوار پر دے مارے تھے۔ اس سے دیوار گر گئی۔

اس وقت تک بازار بھی بند ہو چکا تھا، ورنہ کھانا بازار سے آ جاتا۔ ساری رات بیچارے اُستاد بھوک سے بلبلاتے اور عُمرو کو بُرا بھلا کہتے رہے۔

دِن نکلا تو اُستاد بازار سے ناشتا کر کے مدرسے گئے، دیکھا کہ عُمرو سب سے پہلے آیا ہوا ہے اور مدرسے میں جھاڑو دے رہا ہے۔ اُس نے اُستاد کو دیکھ کر ادب سے سلام کیا اور ان کے جوتے اُتارنے کو دوڑا۔ اُستاد نے عُمرو کے کان پکڑ کر

کہا:

”کل تو نے مجھے بھوکا مارا۔ سارا کھانا کھا گیا اور خالی برتن میرے گھر دے آیا۔“

”جناب، میں نے تو نہیں کھایا۔“ عُمرو نے جواب دیا۔ ”آپ ہی نے تو فرمایا تھا کہ ٹوکری کو ہرگز نہ کھولنا۔ اس میں مرغا بند ہے۔ بھاگ جائے گا۔ کیا میں مُرغے کو کچّا چبا گیا۔“

اُستاد نے دل میں سوچا کہ یہ لڑکا میرے بس کا نہیں۔ میں اسے پڑھانے سے باز آیا۔ ابھی جا کر خواجہ صاحب سے کہتا ہوں کہ اسے مدرسے نہ بھیجا کریں۔ یہ فیصلہ کر کے وہ اُٹھے اور خواجہ عبد المُطّلب کے مکان کا رُخ کیا۔

عُمرو سمجھ گیا کہ اُستاد خواجہ صاحب سے شکایت کرنے جا رہے ہیں۔ وہ بھاگا بھاگا امیر حمزہ کے پاس پہنچا اور بولا۔ ”میں تو یہاں سے جاتا ہوں۔ اب گھر نہیں جاؤں گا۔ زندگی رہی تو پھر ملیں گے۔“

امیر حمزہ اور مُقبِل وفادار یہ سُن کر رو پڑے۔ انہیں عُمرو سے بڑی محبت تھی اور ایک لمحے بھی اس کے بغیر نہیں رہ سکتے تھے، کہنے لگے:

"عمرو، اگر تُو شہر چھوڑ کر جاتا ہے تو ہم بھی تیرے ساتھ چلیں گے۔"

یہ کہہ کر دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے ساتھ دس بارہ لڑکے اور بھی اُٹھے اور یہ گروہ شہر سے نکل کر پہاڑوں کی طرف روانہ ہو گیا۔ ایک سُنسان پہاڑ کے غار میں سب بیٹھ گئے۔ جب شام قریب آئی اور سورج مغرب کی طرف جھکنے لگا تو بھوک کے مارے سب کا بُرا حال ہوا۔ امیر حمزہ نے عُمرو سے کہا:

"یار، تیری وجہ سے ہم یہاں آ گئے اور تو اطمینان سے بیٹھا ہے، ہمارے کھانے پینے کا کچھ انتظام کر۔"

"یہ کون سی بڑی بات ہے۔" عُمرو نے کہا:

"میں ابھی شہر جا کر کھانا لاتا ہوں۔" اور وہ غار سے نکل کر دوڑتا ہوا شہر کی

جانب چلا۔ ایک قصائی کی دکان کے پچھواڑے چھچھڑے اور ہڈیاں پڑی تھیں۔ اس ڈھیر میں سے اونٹ کی ایک باریک آنت تلاش کی اور زبیدہ نام کی ایک بڑھیا کے مکان پر پہنچا، اس بڑھیا نے بہت سی مرغیاں پال رکھی تھیں اور ان کے انڈے بیچ کر گزراوقات کرتی تھی۔

عُمرو دیوار پر چڑھ کر صحن میں کود گیا۔ کچھ فاصلے پر کئی مرغیاں دانہ دُنکا چُگ رہی تھیں اور بُڑھیا پیٹھ پھیرے بیٹھی تھی۔ عُمرو دبے پاؤں مرغیوں کے قریب گیا اور اونٹ کی لمبی انت کے ایک سرے پر گرہ لگا کر مرغیوں کی طرف پھینکی۔ آنت کا ایک سرا اپنے ہاتھ میں پکڑے رکھا۔ ایک مرغی دانہ چگتے چگتے اِدھر آئی اور آنت کو نگلنے کی کوشش کرنے لگی۔ عُمرو نے جھٹ آنت کا دوسرا اپنے مُنہ میں دبایا اور پھونک ماری۔ آنت میں ہوا بھری تو وہ پھول گئی اور گرہ کا پھندا مرغی کے گلے میں اٹک گیا۔ مرغی کے گلے سے آواز تک نہ نکلی۔ عُمرو نے بڑھ کر اسے پکڑا اور قمیص کے نیچے چھپا کر دیوار پھاند کر باہر نکل گیا۔ پھر مکان کے پچھواڑے جا کر چار پانچ پتھر صحن میں پھینکے۔

بڑھیا گھبرا کر مکان سے باہر نکلی۔ عُمرو پھر مکان میں کودا اور انڈوں کی ٹوکری اُٹھا کر بھاگ گیا۔

یہاں سے وہ سیدھا ایک کبابی کی دکان پر پہنچا۔ مرغی اور انڈے اس کے حوالے کیے اور کہا:

"اس مُرغی کے کباب اور ان انڈوں کا حلوا جلدی تیّار کر دے، دو روپے کی روٹیاں اور کُلچے بھی لگا دے۔ میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ خواجہ عبد المطلب کے ہاں چند مہمان آ گئے ہیں۔ ان کی دعوت کرنی ہے۔ اپنا ایک نوکر میرے ساتھ بھیج دے۔ وہ پیسے لے کر آ جائے گا۔"

بے چارے کبابی نے خواجہ عبد المطلب کا نام سُن کر سب کام چھوڑا اور جلدی جلدی مرغی ذبح کر کے اس کے کباب بنائے۔ پر انڈوں کا حلوا تیار کیا۔ روٹیاں اور کلچے اس کے پاس پہلے سے تیار تھے۔ سارا کھانا ایک بڑے سے تھال میں لگا کر اپنے نوکر کے سر پر رکھوایا اور کہا کہ اس لڑکے کے ساتھ خواجہ عبد المُطّلب کے گھر چلا جا۔ کھانا وہاں دے کر جتنے پیسے وہ دیں لے کر آ

جانا۔

عُمرو جب خواجہ عبد المطلب کے گھر کے قریب پہنچا تو نوکر سے کہا:

”مہمان دیوان خانے میں بیٹھے ہیں۔لا کھانے کا تھال میرے سر پر رکھ دے اور تو خود مکان کے پچھلے دروازے سے اندر چلا جا،وہاں خواجہ صاحب ہوں گے۔ان سے پیسے لے لینا۔“

نوکر نے ایسا ہی کیا۔عُمرو نے دوڑ لگائی اور غار میں آکر دم لیا۔سب لڑکوں نے مزے دار کھانا خُوب پیٹ بھر کر کھایا اور اطمینان سے پیر پھیلا کر سو گئے۔

اب ذرا اُدھر کی سنئے کہ خواجہ عبد المطلب کے گھر میں کیا ہوا۔

اُستاد خواجہ کے پاس بیٹھا رو رو کر اپنی داستان سُنا رہا تھا اور خواجہ صاحب غصّے سے کانپ رہے تھے کہ اتنے میں مرغیاں بیچنے والی بڑھیا بھی آ پہنچی اور شکایت کی کہ اُمیّہ کا بیٹا عُمرو میرے گھر میں ان کودا اور ایک مرغی اور انڈوں

کی ٹوکری اُٹھا کر بھاگ گیا۔ خواجہ عبد المُطّلب نے مرغی اور انڈوں کی قیمت بڑھیا کے حوالے کی اور ابھی وہ دعائیں دیتی ہوئی گھر سے باہر نکلی ہی تھی کہ کبابی کا نوکر آن پہنچا۔

"کیا بات ہے؟ کہاں سے آئے ہو؟" خواجہ صاحب نے پوچھا۔

"جناب والا، میں کبابی کا نوکر ہوں۔ تھوڑی دیر پہلے اُمیّہ کا لڑکا عُمرو ہماری دُکان پر ایک مرغی اور انڈوں کی ٹوکری لے کر آیا اور کہا کہ خواجہ عبد المُطّلب کے ہاں چند مہمان آگئے ہیں۔ ان کے لیے اس مرغی کے کباب اور انڈوں کا حلوا تیار کر دو۔ اس کے علاوہ دو روپے کے کُلچے اور روٹیاں بھی دے دو۔ ہم نے جلدی جلدی کھانا تیار کیا اور عُمرو میرے سر پر کھانے کا تھال رکھوا کے یہاں تک آیا اور پھر تھال خود لے گیا اور مجھے آپ کے دیوان خانے میں بیٹھنے کی ہدایت کی۔ اب پتا چلا ہے کہ یہ چیزیں آپ نے نہیں منگوائی تھیں۔"

"خدا اُمیّہ کے لڑکے کو غارت کرے۔ کم بخت چھلاوا ہے چھلاوا۔ اپنے ساتھ

میرے لڑکے حمزہ کو بھی برباد کر رہا ہے۔"خواجہ عبد المطلب نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ پھر کبابی کے نوکر کو بھی پیسے نکال کر دیئے۔ وہ سلام کر کے رُخصت ہوا۔ اب اُستاد نے کہا:

"جناب میں اس لڑکے کو پڑھانے سے باز آیا۔ آپ امیر حمزہ اور مُقبِل کو مدرسے میں بھیج سکتے ہیں۔ لیکن عُمرو کو میں کسی قیمت پر نہیں پڑھاؤں گا۔" یہ کہہ کر اُستاد صاحب رونے لگے۔

""مُلّا جی، اب تو آپ گھر جایئے۔"خواجہ صاحب نے کہا "رات ہو گئی ہے۔ اس وقت عُمرو اور اس کے دوستوں کو ڈھونڈنا مشکل ہے۔ صبح مدرسے کے لڑکوں کو بھیجیے۔ وہ ان کو پکڑ کر لائیں گے۔ پھر دیکھیے گا میں اس عُمرو کی کیا گت بناتا ہوں۔"

اگلے روز اُستاد نے پچاس ساٹھ لڑکوں سے کہا کہ وہ لکڑیاں اور ڈنڈے لے کر پہاڑ کی طرف جائیں۔ وہاں عمرو، امیر حمزہ، متقبل وفادار اور دوسرے لڑکے چھُپے ہوئے ہیں۔ انھیں جا کر پکڑ لائیں۔ لڑکے فوراً روانہ ہو گئے۔ عُمرو اس

وقت پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا تھا۔ اس نے لڑکوں کی فوج کو آتے دیکھا تو خُوب ہنسا اور امیر حمزہ سے کہنے لگا:

''مُلّا جبہ نے ہمیں پکڑنے کے لیے فوج بھیجی ہے۔ آؤ ذرا ان سے دو دو ہاتھ ہو جائیں۔''

یہ سُن کر مُقبِل نے اپنی چھوٹی سی کمان اور تیر نکال لیے۔ عُمرو نے پتھروں کا ڈھیر جمع کر لیا۔ امیر حمزہ کو اپنے بازوؤں کی قوّت پر بھروسا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ کوئی لڑکا ان سے کُشتی میں نہیں جیت سکتا۔ جو بھی اِدھر آئے گا اُسے اُٹھا کر زمین پر دے ماریں گے۔

لڑکوں کی فوج نے عُمرو اور امیر حمزہ کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی تو عُمرو نے پتھروں کی بارش کر دی اور مُقبِل کی کمان سے تیر نکلنے لگے۔ حملہ کرنے والے سب لڑکے گرتے پڑتے وہاں سے بھاگے۔ کئی لڑکوں کے تو کپڑے پھٹ گئے تھے اور کئی زخمی ہو گئے۔ اُستاد نے اپنے شاگردوں کا یہ حال دیکھا کہ عُمرو اور حمزہ کو پکڑنے کے بجائے اپنی ہی مرمّت کروا آئے ہیں تو انہیں

لے کر سیدھا خواجہ عبد المُطّلب کے پاس پہنچا اور سب حال کہا۔ خواجہ صاحب نے اپنا سونٹا سنبھالا اور اُستاد کو ساتھ لے کر پہاڑوں کی طرف چل پڑے۔

عُمرو اور اس کے ساتھی اپنے اپنے مورچوں میں دُبکے ہوئے تھے۔ انہیں سان و گمان بھی نہ تھا کہ خواجہ عبد المُطّلب خود آ جائیں گے۔ سب سے پہلے تو عُمرو نے خواجہ صاحب اور اُستاد کو آتے دیکھا۔ کہنے لگا:

"یار حمزہ، غضب ہو گیا۔ تمہارے والد آ گئے۔ بھائی، میں تو اب بھاگتا ہوں۔ زندگی رہی تو پھر ملیں گے۔"

یہ کہہ کر اس نے بھاگنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ حمزہ نے ہاتھ پکڑ لیا۔ خواجہ صاحب کے خوف سے وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔ حمزہ کی بڑی مِنّت سماجت کی کہ مجھے چھوڑ دے۔ مگر حمزہ نے ایک نہ سُنی۔

جب خواجہ صاحب پہاڑ کے قریب آ کر اُونٹ پر سے اُترے امیر حمزہ غار سے نکل کر اپنے والد کے استقبال کو آئے اور ان کے قدموں پر گر پڑے، خواجہ

صاحب نے اپنے چہیتے بیٹے کو سینے سے لگایا، مُقبِل وفادار کے سر پر محبّت سے ہاتھ پھیرا اور کہنے لگے:

"وہ شریر کہاں ہے؟ آج اس کی خیر نہیں۔ میں اس کے کرتوتوں سے تنگ آ گیا ہوں۔ سارے شہر میں اُس کی وجہ سے میری بدنامی ہو رہی ہے۔"

"ابّا جان اُسے معاف کر دیجیے۔" امیر حمزہ نے ادب سے کہا۔ "میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ عُمرو اب کوئی شرارت کرے گا تو میں خود اُسے سزا دوں گا۔"

عُمرو کو لڑکوں نے ایک بڑے سے پتھّر کے پیچھے چھُپا رکھا تھا۔ امیر حمزہ گئے اور عُمرو کو لا کر خواجہ صاحب کے قدموں پر گرا دیا۔ خواجہ صاحب کا جی تو چاہتا تھا کہ اس کی اچھّی طرح مرمّت کریں لیکن اپنے بیٹے کی سفارش سے کچھ نہ کہا۔ اُستاد کو سو روپے کی تھیلی دی اور تینوں لڑکوں کو لے کر گھر واپس آ گئے، عُمرو کا مدرسے جانا بھی ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔

اس واقعے کُچھ دن بعد کا ذکر ہے۔ اُس دن مدرسے میں چھُٹّی تھی۔ امیر حمزہ اور مُقبِل گھر میں بیٹھے تھے کہ عُمرو باہر سے آیا اور کہنے لگا:

"تم یہاں بیٹھے ہو اور باہر بڑا سہانا موسم ہے۔ آؤ باغ کی سیر کریں۔"

تینوں دوست باغ کی سیر کے لیے نکلے۔ مکّے سے کُچھ فاصلے پر کھجُوروں کا ایک چھوٹا سا باغ تھا۔ یہ وہیں پہنچے اور اِدھر اُدھر پھِرنے لگے۔ آخر امیر حمزہ اور مُقبِل تھک کر ایک جگہ بیٹھ گئے اور عُمرو ایک درخت پر چڑھ کر کھجُوریں توڑنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بہت سی کھجُوریں اپنی جھولی میں بھر کر لایا اور الگ بیٹھ کر کھانے لگا۔ امیر حمزہ نے کہا:

"عُمرو کیا بد تمیزی ہے۔ لاؤ تھوڑی سی کھجُوریں ہم کو بھی دو۔"

"بھائی صاحب، میں اتنی محنت سے درخت پر چڑھا اور کھجُوریں توڑ کر لایا ہوں، تمھیں شوق ہے تو تم بھی توڑ لاؤ۔ میں نہ دُوں گا۔"

عُمرو کی یہ بات سُن کر امیر حمزہ کو غُصّہ آیا۔ بڑبڑاتے ہوئے اُٹھے اور ایک

درخت پر چڑھنے لگے۔ عُمرو نے ہنس کر کہا:

”واہ وا، کیا بہادری ہے۔ ارے بھائی درخت پر چڑھنا تو ہم جیسے دُبلے پتلے لوگوں کا کام ہے۔ تُم پہلوان ہو۔ درخت اُکھاڑ کر کھجُوریں کھاؤ۔“

اب تو امیر حمزہ کے غُصّے کی حد نہ رہی۔ سوچے سمجھے بغیر زور لگایا اور درخت اُکھاڑ کر پھینک دیا۔

یہ دیکھ کر عُمرو اور مُقبِل حیران رہ گئے لیکن عُمرو نے فوراً کہا:

”اجی یہ تم نے کیا کمال کیا؟ ایسا کمزور درخت تو میں بھی اُکھاڑ سکتا تھا۔“

امیر حمزہ اب دوسرے درخت کی طرف بڑھے اور اُسے بھی اُکھاڑ کر پھینک دیا۔

عُمرو نے پھر قہقہہ لگایا اور بولا:

”بس دیکھ لی آپ کی طاقت اس درخت کی جڑیں تو پہلے ہی کمزور ہو چکی

تھیں۔"

امیر حمزہ تیسرے درخت کی طرف گئے اور زور لگا کر اسے بھی جڑ سے اُکھاڑ دیا۔ پھر چوتھے اور سب سے بڑے درخت کو گرایا۔ پانچویں درخت کی جانب چلے ہی تھے کہ عُمرو نے ڈانٹ کر کہا:

"خواجہ عبدالمطلب کے بیٹے، کیا تو دیوانہ ہو گیا ہے؟ سارے باغ کو اُجاڑنے کا ارادہ ہے؟"

امیر حمزہ یہ سُن کر شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے۔ "خُدا تجھے نیکی کی ہدایت دے۔ میں تیری باتوں میں آ کر سارا باغ ہی اُجاڑنے لگا تھا۔"

اتنے میں باغ کا مالک بھی آن پہنچا۔ چار درخت گرے ہوئے دیکھے تو سخت پریشان ہوا۔ عُمرو سے پوچھنے لگا:

"کیوں میاں صاحبزادے، یہ درخت کس طرح گرے؟"

"بڑی تیز آندھی آئی تھی، اسی کی وجہ سے ان درختوں پر آفت آئی ہے۔"

عُمرو نے جواب دیا۔

"آندھی؟" مالک چلّا اُٹھا۔ "یہ کیا بکواس ہے۔ آندھی آئے اور مجھے پتا نہ چلے۔"

امیر حمزہ اور مُقبِل ہنس پڑے۔ آخر مالک نے خوشامد کی۔ تب امیر حمزہ نے بتایا کہ "عُمرو کی وجہ سے مجھ سے یہ حرکت مجھ سے ہوئی۔ اب ہمارے ساتھ چل۔ ہر درخت کے بدلے ہم تجھے ایک سُرخ اُونٹ دیں گے۔"

باغ کا مالک یہ سُن کر خوش ہُوا اور اس کا سارا رنج دور ہو گیا۔ امیر حمزہ اُسے اپنے ساتھ لے کر آئے۔ غُلاموں کو حکم دیا کہ ہمارے ابّا جان کے ایک ہزار سُرخ اُونٹوں میں سے چار اُونٹ اس شخص کو دے دو۔ غلاموں نے اسی وقت حکم کی تعمیل کی۔ امیر حمزہ اور مُقبِل تو گھر چلے گئے لیکن عُمرو اس شخص کے پیچھے پیچھے چلا۔ اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی کہ کھجوروں کے چار درختوں کے بدلے میں اتنے قیمتی چار اُونٹ یہ ہتھیا کر لے گیا۔ تھوڑی دور جا کر اُسے روکا اور کہنے لگا:

”او بھائی تُو بڑا خراب آدمی ہے۔ تُو نے حمزہ کی خوشامد کر کے یہ اُونٹ ہتھیا لیے۔ ابھی جا کر خواجہ صاحب سے تیری شکایت کرتا ہوں۔“

یہ سُن کر وہ بے چارہ سخت گھبرایا۔ گِڑگِڑا کر کہنے لگا: ”حمزہ نے بھی تو میرے باغ کے چار درخت اُکھاڑ ڈالے ہیں۔“

”وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن یہ کہاں کی شرافت ہے کہ چار درختوں کے بادلے میں تو کئی ہزار روپے کے اُونٹ لے جائے؟“ عُمرو نے کہا۔

”پھر تم ہی کُچھ بتاؤ۔“ اس نے کہا۔

”ان میں سے ایک اُونٹ مجھے دے دے۔“ عُمرو نے مُسکرا کر کہا۔ باغ کا مالک ڈرتا تھا کہ اگر عُمرو نے خواجہ عبدالمطلب سے شکایت کر دی تو شاید وہ سبھی اُونٹ چِھین لیں۔ اُس نے کُچھ کہے بغیر ایک اُونٹ عُمرو کے حوالے کر دیا۔

اب عُمرو سیدھا منڈی میں پہنچا۔ ایک ہزار روپے میں اُونٹ بیچا اور ہنستا کھیلتا گھر آیا۔ امیر حمزہ نے ہزار روپے کہ تھیلی عُمرو کے پاس دیکھی تو کہنے لگے:

”سچ سچ بتا یہ رقم کہاں سے آئی؟ یاد رکھ اب میں تجھے ابّا جان کے ہاتھ سے نہیں بچا سکتا۔“

”بھائی صاحب، یہ میری محنت کی کمائی ہے۔“ عُمرو نے جواب دیا اور پھر مزے لے لے کر ساری کہانی حمزہ اور مُقبِل کو سنائی۔ وہ خوب ہنسے اور کہا:

”خدا کی پناہ! کمبخت کسی پر تو ترس کھایا کر۔ اس غریب شخص سے ایک اُونٹ لیتے ہوئے تجھے ذرا شرم نہ آئی۔“

”وہ ایسا کون سا شریف تھا۔“ عُمرو نے کہا۔ ”وہ تُم کو بے وقوف سمجھ کر چار اونٹ ہتھیانا چاہتا تھا۔“

مقدّس تحفے

وقت پر لگا کر اُڑ تا رہا۔ امیر حمزہ، مُقبِل وفادار اور عُمرو نے بچپن کی حدیں طے کر کے جوانی کی منزل میں قدم رکھا۔ اُن کی آپس میں محبت روز بہ روز بڑھتی گئی۔ عُمرو کی شرارتیں، عیّاریاں اور چالاکیاں ختم ہونے میں نہ آتی تھیں۔ اب اس میں ایک خاص بات یہ پیدا ہو گئی تھی کہ وہ ہر وقت کسی نہ کسی طرح دولت حاصل کرنے کے لیے بے چین رہتا۔ اس معاملے میں دوست دشمن اور چھوٹے بڑے کا خیال بھی نہ کرتا۔

ایک دن جب کہ تینوں دوست اپنے گھر کی چھت پر بیٹھے بازار کی رونق دیکھ رہے تھے کہ ایک جلوس آیا اور شہر سے باہر جانے والے راستے پر چل پڑا۔ امیر حمزہ نے عُمرو سے کہا:

"ذرا معلوم تو کرو کہ یہ لوگ شہر سے باہر کس لیے جا رہے ہیں؟"

"ابھی پتا کر کے آتا ہوں۔" عُمرو نے کہا اور باھر نکل کر جلوس کے ساتھ ہو لیا۔ پھر آدھ گھنٹے بعد واپس آ کر امیر حمزہ سے کہنے لگا:

"ہم یہاں بیٹھے ہیں اور شہر کے باہر زبردست میلا لگا ہے۔ ملک ملک کے سوداگر آئے ہوئے ہیں۔ سینکڑوں خیمے لگے ہوئے ہیں۔ بڑی رونق ہے۔ ایک سوداگر گھوڑے لے کر آیا ہے۔ خُدا جانتا ہے ایسے خُوبصورت اور طاقتور گھوڑے میں نے کبھی نہیں دیکھے۔"

عُمرو نے گھوڑوں کی ایسی تعریف کی کہ امیر حمزہ میلے میں جانے کے لئے بے چین ہو گئے۔ اُنہیں بچپن ہی سے گھڑ سواری کا شوق تھا اور جوان ہو کر تو

وہ بڑے ماہر شہ سوار بن گئے تھے۔ سارے عرب میں ان جیسا شہ سوار کوئی اور نہ تھا۔ انہوں نے اسی وقت عُمرو اور مُقبِل کو ساتھ لیا اور میلے میں پہنچ گئے۔

تینوں دوست سب سے پہلے اس سوداگر کے خیمے کی طرف گئے جو گھوڑے لایا تھا۔ اس کے گھوڑے ایک باڑے میں کھڑے تھے۔

امیر حمزہ نے ان گھوڑوں کو دیکھا اور کہا بہت خُوبصورت اور عمدہ جانور ہیں۔ ہم ان میں سے چند گھوڑے ضرور خریدیں گے۔

وہ گھومتے پھِرتے ایک شامیانے کے قریب پہنچے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شاندار ابلق گھوڑا شامیانے کے نیچے زنجیروں سے بندھا کھڑا ہے۔ اس کا جسم اتنا خُوبصورت تھا کہ امیر حمزہ دیکھتے ہی بے چین ہو گئے اور سوداگر سے کہا۔
"اس گھوڑے کی کیا قیمت ہے؟"

سوداگر نے امیر حمزہ کو اوپر سے نیچے تک دیکھا اور ہنس کر بولا:

”صاحبزادے، ابھی جوان ہو۔ دُنیا نہیں دیکھی جاؤ، اپنے ماں باپ کے کلیجے سے لگ کر بیٹھو۔ تم اس گھوڑے کی سواری کے لائق نہیں۔ کیا تمہیں نظر نہیں آتا کہ اسے میں نے زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے؟ یہ کسی کو اپنے نزدیک نہیں آنے دیتا، سواری کرنا تو درکار اب تک کئی آدمیوں کو دُوسری دُنیا میں پہنچا چکا ہے۔“

یہ باتیں سُن کر امیر حمزہ تو چُپ رہے لیکن عُمرو کو طیش آ گیا۔ آنکھیں نکال کر بولا:

”اے سوداگر، اگر تو ہمارا مہمان نہ ہوتا تو ابھی تیری لاش پھڑکتی ہوئی نظر آتی۔ جانتا بھی ہے کہ کسی سے بات کر رہا ہے؟ یہ مکّے کے سردار خواجہ عبدالمطلب کے لڑکے امیر حمزہ ہیں جن کی بہادری اور شہ سواری کا سارا عرب قائل ہے۔“

سوداگر یہ تقریر سن کر ہنسا اور کہنے لگا:

”ممکن ہے تم صحیح کہتے ہو۔ لیکن میں تو جب مانوں کہ امیر حمزہ صاحب اس گھوڑے پر سواری کر کے دکھائیں۔ قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر یہ کامیاب ہو گئے تو گھوڑا مفت میں دے دوں گا۔“

سوداگر کے یہ الفاظ سُن کر عُمرو کے دل میں لالچ نے سر اُبھارا۔ سوچنے لگا، اگر میں اس پر سواری کر کے دکھادوں تو اتنا قیمتی گھوڑا مفت ہاتھ آجائے گا۔ دس بارہ ہزار سے کم میں نہ بکے گا۔ یہ سوچ کر سینہ پھلایا اور سوداگر سے کہا:

”اے شخص سُن، یہ مریل گھوڑا امیر حمزہ جیسے پہلوان کی سواری کے لائق نہیں۔ ہاں مُجھ جیسا خادم ضرور اس پر چڑھ سکتا ہے۔ پرے ہٹ میں اس پر سوار ہوتا ہوں۔“

عُمرو کی شکل دیکھ کر سوداگر حیران ہُوا۔ کہنے لگا:

”اے لوگو! یہ لڑکا خواہ مخواہ اپنی جان کا دُشمن ہُوا ہے۔ گھوڑے نے اگر ہلکی سی بھی لات مار دی تو سیدھا بُحیرۂ عرب میں جا گرے گا۔ اسے سمجھاؤ ورنہ

میں اس کی زندگی کا ذمّہ دار نہیں۔"

لوگوں نے عُمرو کو اس ارادے سے باز رہنے کا مشورہ دیا۔ لیکن اس نے سب کو ڈانٹ دیا۔

پھر گھوڑے کے چاروں طرف چکر لگایا۔ گھوڑے نے بھی لال لال آنکھوں سے عُمرو کو گھُورا اور نتھنے پھُلائے۔ عُمرو نے جونہی اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا۔ وہ اُچھلا اور اس زور سے ہنہنایا کہ عُمرو لڑھکنیاں کھاتا ہوا امیر حمزہ کے قدموں میں آن گِرا۔ امیر حمزہ نے اُسے اُٹھا کر کپڑے جھاڑے اور چُپکے سے کہا:

"آ میرے ساتھ چل۔ میں تجھے گھوڑے پر بٹھاتا ہوں۔"

"خُدا کے لیے مجھ پر رحم کرو۔" عُمرو نے کہا۔ "میرے باپ کی توبہ جو میں کبھی اس بدمعاش گھوڑے کے نزدیک جاؤں۔ آپ ہی سواری کا شوق پورا کیجئے۔ بندہ تو یہاں سے رخصت ہو کر خواجہ صاحب کی خدمت میں جاتا ہے۔ اُن کو بتا تو دوں کہ حمزہ خودکشی کا ارادہ کر رہے ہیں۔"

”خبر دار جو تم یہاں سے ہلے۔ دیکھتے جاؤ۔ ابھی یہ گھوڑا حاصل کرتا ہوں۔“

یہ کہہ کر امیر حمزہ گھوڑے کے قریب گئے اور اس کی زنجیریں کھولنے کا حکم دیا۔ سوداگر کی اجازت سے اس کے نوکروں نے زنجیریں کھول دیں۔ امیر حمزہ نے اس کی لگام تھامی۔ گھوڑے نے اپنے آپ کو زنجیروں سے آزاد پایا تو شوخیاں کرنے لگا، لیکن امیر حمزہ نے ایسا زوردار گھونسا اس کی گردن پر مارا کہ وہ تھرّا گیا۔ لوگوں نے زندہ باد کے نعرے لگائے اتنے میں حمزہ نے رکاب میں پاؤں رکھا اور اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ گئے۔

چند منٹ تک گھوڑا خُوب اُچھلا کودا اور پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہو کر اس نے امیر حمزہ کو گرانے کی کوشش کی لیکن حمزہ اس کی پیٹھ پر اس طرح جم گئے تھے جیسے گھوڑے کے جسم ہی کا ایک حصّہ ہیں۔ پھر پلک جھپکتے میں گھوڑا امیر حمزہ کو لے کر صحرا کی طرف چلا اور آناً فاناً بیس تیس کوس دور نکل گیا۔ امیر حمزہ نے اسے روکنے کی بہت کوشش کی پر وہ کسی طرح نہ رُکا۔

آخر ایک خندق کو پار کرتے ہوئے اس نے ٹھوکر کھائی اور اس نے گرتے ہی

دم دے دیا۔

اب امیر حمزہ سخت پریشان ہوئے۔ چاروں طرف وحشت ناک بیابان مُنہ پھاڑے کھڑا تھا۔ ہر طرف ریت ہی ریت، خشک جھاڑیاں اور بھورے رنگ کے پہاڑ۔ وہ اس سے پہلے کبھی اِدھر نہ آئے تھے اور نہ ان کو اندازہ تھا کہ شہر کا راستہ کس طرف ہے۔ آخر خدا کا نام لے کر ایک طرف چل پڑے۔ چلتے چلتے پیروں میں چھالے پڑ گئے اور پیاس کی وجہ سے زبان سُوکھ گئی۔

دھوپ کی گرمی سے بچنے کے لیے کہیں سایہ نہ ملا۔ جب چلنے کی ہمّت نہ رہی تو ایک خشک جھاڑی کے قریب نڈھال ہو کر بیٹھ گئے۔

اچانک ایک نقاب پوش سوار مغرب سے نمودار ہوا۔ اس کے جسم پر سبز رنگ کا قیمتی لباس تھا اور وہ کالے رنگ کے ایک خوبصورت اور طاقتور گھوڑے پر سوار تھا۔ امیر حمزہ اسے دیکھ کر خوش ہوئے۔ وہ پراسرار سوار قریب آ کر رُکا۔ گھوڑے سے اُترا اور بولا:

”خواجہ عبدالمطلب کے بیٹے! اُٹھ تیری قسمت جاگ گئی۔ یہ گھوڑا میں تیرے لیے لایا ہوں۔ اس پر کبھی حضرت اسحاق علیہ السلام سواری کیا کرتے تھے۔ کوئی اس گھوڑے سے آگے نہ نکل سکے گا اور نہ کوئی پہلوان تُجھے کُشتی میں ہرا سکے گا۔ اُٹھ اور اس پہاڑی کے پیچھے جا۔ وہاں زمین کھود۔ ایک صندوق ملے گا۔ اس میں پیغمبروں کے ہتھیار رکھے ہیں۔ وہ سب تُجھے دیے جاتے ہیں۔“

امیر حمزہ نے پہاڑی کے پیچھے ایک جگہ ریت کھودی تو لوہے کا ایک بہت پرانا اور بھاری صندوق نظر آیا۔ صندوق کھولا تو اس میں بہت سی چیزیں رکھی تھیں۔ نقاب پوش بزرگ نے ایک ایک کر کے تمام چیزیں باہر نکالیں۔

”یہ حضرت اِسمٰعیل علیہ السّلام کا کُرتا ہے۔ اسے پہن لو۔“

”یہ حضرت داؤد علیہ اسلام کے ہاتھ کی بنی ہوئی زرہ ہے۔ اسے گلے میں ڈالو۔ دُشمن کا کوئی ہتھیار تمہیں نقصان نہ پہنچا سکے گا۔“

”یہ حضرت ہُود علیہ السّلام کی لوہے کی ٹوپی ہے۔ اسے سر پر پہن لو۔ تمہارا سر

محفوظ رہے گا۔"

"یہ یوسف علیہ السّلام کے دستانے ہیں۔ یہ صالح علیہ السّلام کے موزے اور یہ یعقوب علیہ السّلام کا کمر بند ہے۔ یہ الیاس علیہ السّلام کی دو تلواریں، رُستم پہلوان کا خنجر، زیال پہلوان کا گُرز اور سُہراب پہلوان کا پنجہ ہے۔"

آخر میں اُن بزرگ نے حضرت نُوح علیہ السّلام کا نیزہ نکال کر امیر حمزہ کو دیا اور اپنے ہاتھ سے یہ تمام ہتھیار ان کے بدن پر لگائے۔ پھر سیاہ گھوڑے پر سوار کیا اور کہا اس گھوڑے کا نام قیطاس ہے۔ یہ بڑا وفادار اور جاں باز ہے۔ اچھا، اب میں رُخصت ہوتا ہُوں۔

"یاحضرت، اپنا نام تو بتاتے جایئے۔" امیر حمزہ نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"میرا نام خضر ہے۔" یہ کہہ کر وہ بزرگ غائب ہو گئے۔

قیطاس گھوڑے پر سوار ہوتے ہی امیر حمزہ کی ساری تھکن اور بھوک پیاس دور ہو چکی تھی۔ گھوڑا اپنے سوار کو لے کر خود بخود اس راستے پر چل پڑا جو مکّے کو

جاتا تھا۔

جب سوداگر کا گھوڑا امیر حمزہ کو لے کر صحرا کی طرف بھاگا اور وہ دیر تک واپس نہ آئے تو عُمرو سخت بے چین ہوا۔ مُقبِل سے کہا کہ میں حمزہ کی تلاش میں جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر اندھا دھند صحرا کی طرف دوڑنا شروع کیا۔ میلوں دُور نکل گیا اور اب اس کی بھی وہی حالت ہوئی جو امیر حمزہ کی ہوئی تھی۔ پیروں میں بڑے بڑے آبلے پڑ گئے اور پیاس سے تالو چٹخنے لگا۔ آخر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ بہت دیر بعد ہوش آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ سبز لباس پہنے ہوئے ایک نقاب پوش سرہانے کھڑا ہے۔ حیرت سے پوچھنے لگا:

"آپ کون ہیں؟"

"میرا نام خضر ہے اور تمھیں اس مُصیبت سے نکالنے آیا ہوں۔" نقاب پوش نے کہا "اُٹھ عُمرو، خدا نے تُجھ پر کرم کی نظیر کی۔ تیرا نام رہتی دُنیا تک زندہ رہے گا اور تُجھ سے بڑے بڑے چالاک اور عیّار لوگ خوف کھائیں گئے۔ اُٹھ اور یہاں سے نکل جا۔ دوڑنے میں کوئی تجھ سے آگے نہ نِکل سکے گا۔"

یہ کہہ کر وہ بزرگ جن کا نام خضر تھا، غائب ہو گئے۔

عُمرو خُوشی خُوشی اُٹھا اور ایک جانب دوڑنے لگا۔ اُسے یُوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے جسم میں بجلی بھر دی گئی ہو۔ دوڑتے دوڑتے آناً فاناً سینکڑوں کوس دور نکل گیا اور کوئی تھکن نہ ہوئی۔ بھُوک پیاس بھی مِٹ چکی تھی۔ ایک جگہ کیا دیکھتا ہے کہ امیر حمزہ سیاہ گھوڑے پر بیٹھے اور طرح طرح کے ہتھیار جسم پر سجائے چلے آتے ہیں۔ عُمرو انہیں صحیح سلامت دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ کہنے لگا:

”حمزہ، اُس سوداگر کا گھوڑا کہاں ہے اور یہ گھوڑا اور یہ ہتھیار کِس کے اُڑا لائے ہو؟“

امیر حمزہ ہنسے، سارا قصّہ سُنایا اور آخر میں کہا:

”یہ گھوڑا جس پر میں سوار ہوں، اسحاق علیہ السّلام کا ہے۔“

”مُجھے تو جب یقین ہو کہ یہ گھوڑا دوڑ میں مُجھ سے آگے نِکل جائے۔“ عُمرو نے

کہا۔

"اچھا، یہ بات ہے۔ تو آؤ دوڑ لگالو۔" امیر حمزہ نے کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ عُمرو بھی گھوڑے کے ساتھ ساتھ دوڑنے لگا۔ نہ گھوڑا آگے نکل سکا اور نہ عُمرو۔ عُمرو کی یہ رفتار دیکھ کر حمزہ حیران ہوئے، کہنے لگے:

"او اُمیّہ کے بیٹے، تو نے یہ ہنر کس سے پایا؟"

"اسی سے جس نے تمھیں یہ گھوڑا اور پیغمبروں کے ہتھیار دیے۔" عُمرو نے جواب دیا۔

وہ باتیں کرتے ہوئے مکّے کے قریب پہنچ گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ شہر کے سارے مرد و عورت ایک جگہ جمع ہیں۔ خواجہ عبدالمطلب بھی حیران پریشان کھڑے رو رہے ہیں۔ حمزہ اور عُمرو کو دیکھتے ہی سب لوگ خوشی سے نعرے لگانے لگے اور خواجہ صاحب نے آگے بڑھ کر باری باری حمزہ اور عُمرو کو گلے سے لگایا۔

مُقبِل وفادار کو جب معلوم ہوا کہ خِضر علیہ السّلام نے امیر حمزہ کو مقدس تُحفے دیے ہیں اور عُمرو کو بھی دوڑنے کی قوّت عطا کی فرمائی ہے تو وہ دل میں کہنے لگا، میں بڑا بد نصیب ہوں۔ مجھے کُچھ نہ ملا۔ اب یہاں رہنا بے کار ہے۔ میں اپنے دوستوں کی نظر میں گر جاؤں گا۔ بہتر یہی ہے کہ چُپ چاپ یہاں سے نکل کہ ایران کی طرف چلو اور نوشیرواں کے پاس حاضری دو۔ وہ قدر کرے گا۔

یہ سوچ کر مُقبِل کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ رات کے اندھیرے میں گھر سے نکلا۔ امیر حمزہ اور عُمرو بے خبر سو رہے تھے۔ مُقبِل نے دل ہی دل میں رخصتی سلام کیا اور ایران کو جانے والے راستے کی طرف ہو لیا۔ ایک دن اور ایک رات چلتا رہا۔ آخر پیروں میں چھالے پڑ گئے۔ تھک کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور موت کی آرزو کرنے لگا۔ پھر خیال آیا کہ اس طرح تو موت آنے سے رہی، کیوں نہ درخت پر چڑھ کر نیچے چھلانگ لگا دوں۔ یہ سوچ کر درخت پر چڑھا۔ سب سے اونچی شاخ پر پہنچ کر آنکھیں بند کیں اور نیچے کُود گیا۔

لیکن یہ کیا! اُسے یُوں محسُوس ہوا جیسے پھولوں کے ڈھیر پر آن گرا ہو۔ انکھیں کھولیں تو اپنے قریب ایک نقاب پوش کو کھڑے پایا۔ نقاب پوش نے مُقبِل کو سینے سے لگایا، پیار کیا اور کہا:

”بیٹا، خُدا کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیے۔ میرا نام خضر ہے۔ یہ تیر کمان لے۔ اس کمان کو تیرے سوا دنیا میں کوئی اور نہ کھینچ سکے گا۔ تیرا تیر کبھی خطا نہ جائے گا اور نہ اس ترکش میں کبھی تیر ختم ہوں گے۔“

یہ کہہ کر وہ بزرگ غائب ہو گئے۔ مُقبِل کمان اور تیروں سے بھرا ہوا ترکش لے کر بہت خوش ہوا اور واپس مکّے کی طرف چلا۔ اب اس کے پیروں میں چھالے تھے اور نہ بھُوک پیاس لگتی تھی۔ اُدھر امیر حمزہ اور عُمرو اپنے دوست کی جدائی سے پریشان تھے اور اسے ہر طرف ڈھونڈ رہے تھے۔ آخر شہر سے باہر اُن کی ملاقات مُقبِل سے ہوئی۔ تینوں دوست ایک دوسرے سے لپٹ کر آنسو بہانے لگے۔ مُقبِل نے انہیں کمان اور تیروں کا ترکش دکھایا اور کہا کہ یہ تحفہ خِضر علیہ السّلام نے عطا کیا ہے تو امیر حمزہ اور عُمرو خوشی سے ناچنے لگے۔

یمن کی فتح

ایک دن امیر حمزہ، عُمرو اور مُقبِل وفادار بازار کی سیر کر رہے تھے۔ کہ ایک دم لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ دُکانداروں نے اپنی دُکانیں بند کیں اور جِدھر جِس کا مُنہ اُٹھا، بھاگ نِکلا۔ امیر حمزہ نے ایک شخص سے پوچھا:

"کیا معاملہ ہے بھائی۔ کیوں بھاگے جا رہے ہو؟"

"یمن کی فوج آگئی ہے۔" اس نے جواب دیا۔

یہ سُن کر امیر حمزہ کو غصّہ آیا۔ لوگوں کو بھاگنے سے روکا۔ کہنے لگے "تمہیں

شرم آنی چاہیے کہ ایک غیر علاقے کے سپاہی یہاں لوٹ مار کریں اور تم لوگ بُزدلوں کی طرح بھاگ اُٹھو۔ میں ان حملہ آوروں سے لڑوں گا۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ یمن کی فوج کے کئی سپاہی گھوڑوں پر سوار وہاں آ نکلے۔ اُنہیں دیکھتے ہی امیر حمزہ نے بُلند آواز سے پکارا اور کہا:

"ان سپاہیوں کو گھیرے میں لے کر وہ سارا سامان چھین لو جو انہوں نے ہماری دُکانوں سے لُوٹا ہے۔"

مُقبِل وفادار نے کمان سنبھالی اور تیر چلانے شروع کیے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کے کئی سپاہی زخمی ہو کر گھوڑوں سے گِرے اور مر گئے۔ یہ دیکھ کر لوگوں کا حوصلہ بڑھا اور وہ بھی خنجر اور تلواریں نکال کر حملہ آوروں پر ٹوٹ پڑے۔ ایسی خونریز جنگ ہوئی کہ بازاروں اور گلیوں میں پانی کی طرح خون بہہ نکلا۔ امیر حمزہ اپنے قیطاس نامی گھوڑے پر سوار تلوار ہاتھ میں لیے دشمن کے سپاہیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے تھے۔ ان کی تلوار جس پر بھی پڑتی اُسے قتل کیے بغیر نہ چھوڑتی۔

تھوڑی ہی دیر میں میدان صاف ہو گیا۔ یمن کے سپاہیوں میں سے دس بارہ آدمی جان بچا کر بھاگے اور اپنے سردار کو خبر دی کہ ایک عرب نوجوان نے سب سپاہیوں کو مار ڈالا اور سارا مال چھین لیا۔ یمنی سردار کا نام سُہیل تھا اور وہ بڑا بہادر پہلوان تھا، یہ خبر سُن کر غصّے سے تھر تھر کانپنے لگا۔ اسی وقت بدن پر ہتھیار لگا، گھوڑے پر سوار ہُوا اور بازار کی طرف چلا۔

ابھی آدھے راستے ہی میں تھا کہ سامنے سے امیر حمزہ، عُمرو اور مُقبِل وفادار آتے دکھائی دیئے۔ ان کے پیچھے پیچھے بے شمار عرب نوجوان نعرے لگاتے آ رہے تھے۔ سُہیل کے ساتھ اب بھی کئی ہزار سپاہی تھے لیکن وہ کچھ خوفزدہ نظر آرہے تھے۔

سُہیل یمنی نے امیر حمزہ کو دیکھتے ہی اپنے ایک آدمی سے پوچھا:

”یہ خوبصورت نوجوان کون ہے؟ اس کا گھوڑا بھی بڑا قیمتی اور بہترین نسل کا ہے۔“

”جناب، اس کا نام حمزہ ہے۔ مکّے کے سردار خواجہ عبدالمطلب کا بیٹا ہے۔ بڑا بہادر اور طاقتور ہے، سارے عرب میں اس کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔ اسی نے یمنی سپاہیوں کو قتل کیا ہے۔“

سُہیل نے گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے بڑھایا۔ امیر حمزہ کے قریب پہنچا۔ تھوڑی دیر تک اُنہیں، اُن کے ہتھیاروں اور گھوڑے کو غور سے دیکھا پھر کہنے لگا:

”اے نوجوان، مجھے تُجھ پر ترس آتا ہے۔ تو نے ابھی دنیا میں کُچھ نہیں دیکھا۔ یہ گھوڑا اور ہتھیار میرے حوالے کر۔ ورنہ تُجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

امیر حمزہ یہ سُن کر ہنسے اور کہا ”یہی بات میں تُجھ سے کہنے آیا ہوں۔ اگر تو نے آیندہ ہماری زمین پر اپنے ناپاک قدم رکھے تو تلوار سے تیرے جسم کے دو ٹکڑے کر دوں گا۔ خیر اسی میں ہے کہ اپنے بچّے کُھچّے سپاہیوں کو لے کر یہاں سے چلا جا۔“

اب تو سُہیل یمنی کے غصّے کی انتہا نہ رہی۔ میان سے تلوار نکال کر امیر حمزہ کی

طرف جھپٹا۔ ان کی ڈھال پر تلوار ماری لیکن ڈھال کا کُچھ بھی نہ بگڑا، اُلٹی اسی کی تلوار ٹوٹ گئی۔ امیر حمزہ نے قہقہہ لگایا اور کہا:

"اے سُہیل، ان کھلونوں سے تُو میرا کُچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ کوئی اور ہتھیار نکال۔"

سُہیل نے اب اپنی کمر سے بندھا ہوا خنجر نکالا۔ اس کی چمک ایسی تھی کہ نگاہ ٹھہرتی نہ تھی۔ خنجر کا دستہ ہاتھ میں پکڑ کر اس انداز میں امیر حمزہ کی طرف پھینکا کہ اگر وہ فوراً گھوڑے سے کود نہ جاتے تو خنجر ان کا سینہ توڑتا ہوا نکل جاتا۔ امیر حمزہ نے چیتے کی طرح چھلانگ لگائی اور سُہیل کو گھوڑے سے اُتار کر زمین پر پٹخ دیا۔ ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ انہوں نے اس کی پیٹی پکڑ کر سر سے اونچا اُٹھایا اور ایک مکان کی دیوار پر دے مارا۔ سُہیل کی چیخیں نکل گئیں اور اس سے پہلے کہ اس کے سپاہی امیر حمزہ اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کریں، عُمرو نے لپک کر اپنا خنجر سُہیل کے گلے پر رکھ دیا اور چلّا کر کہا:

"خبر دار، اگر کسی نے تلوار چلانے یا نیزہ پھینکنے کی کوشش کی تو سُہیل کا سر تن

سے الگ کر دوں گا۔"

یمنی سپاہی وہیں رُک گئے۔ اِدھر سُہیل نے اپنے گلے پر خنجر کی دھار محسوس کی تو خوف سے رگوں میں خون جم گیا۔ رحم طلب نظروں سے عُمرو کو دیکھا اور کہنے لگا:

"خنجر میرے گلے سے ہٹالو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آیندہ یہاں نہ آؤں گا۔"

عُمرو نے کہا "اور یہ بھی وعدہ کر کہ امیر حمزہ کو ہمیشہ اپنا سردار مانے گا۔"

"آج سے میں اور میرے تمام سپاہی امیر حمزہ کے خادم اور وفادار ہیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔"

عُمرو نے خنجر اس کے گلے سے ہٹایا تو سُہیل اُٹھ کھڑا ہوا لیکن شرم کے مارے امیر حمزہ سے نظریں نہ مِلاتا تھا۔ یہ دیکھ کر امیر حمزہ گھوڑے سے اُترے، سُہیل کو گلے سے لگایا اور کہا:

"آج سے تو میرا بھائی ہے اور تیرے تمام سپاہی میرے مہمان ہیں۔"

اس کے بعد سب خوشی خوشی شہر میں آئے اور ہر طرف امن و امان ہو گیا۔

امیر حمزہ نے سُہیل کی خُوب خاطر تواضع کی۔ کئی دن اسی طرح گزر گئے۔ آخر ایک دن سُہیل نے بڑے ادب سے کہا "میں اب یمن جاتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ بادشاہ مجھ سے پوچھے گا کہ عرب سے کتنا مال لُوٹ کر لائے ہو تو کیا جواب دوں گا؟ آپ سے دوستی کے جُرم میں وہ مجھے فوراً قتل کرا دے گا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ ہم تمہارے ساتھ چلیں گے۔" امیر حمزہ نے کہا "اگر بادشاہ نے جنگ کی تو اس کو مزہ چکھا دیں گے۔"

سُہیل نے خوش ہو کر امیر حمزہ کے پاؤں کو بوسہ دیا اور روانگی کی تیّاری کرنے لگا۔

امیر حمزہ نے اپنے والد سے یمن جانے کی اجازت لی اور کئی ہزار عرب نوجوانوں کی ایک فوج لے کر روانہ ہوئے۔ عُمرو اور مُقبِل ان کے ساتھ تھے۔ امیر حمزہ نے سُہیل کو ایک دن پہلے ہی روانہ کر دیا تھا۔ وہ بڑی تیزی

سے منزلیں طے کرتے ہوئے ایک جنگل میں داخل ہوئے۔ اپنی فوج کو ایک دوسرے راستے سے بھیجا اور خود عُمرو اور مُقبِل کو لے کر جنگل کی سیر کے لیے ایک طرف چل پڑے۔

ایک ندّی کے کنارے پر پہنچ کر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک خوفناک شکل کا شخص شیر کی کھال پہنے بیٹھا ہے اور اس کے قریب ہی ایک زبردست شیر بھی کھڑا ہے۔ شیر کی گردن اور پیروں میں لوہے کی مضبوط زنجیر پڑی ہوئی تھی۔ اِن کو اپنی جانب آتے دیکھ کر شیر غرّایا اور اُچھلنے کودنے لگا۔ مگر خوفناک شکل والے آدمی نے اس کی گردن پر گونسا مارا اور وہ بلّی کی مانند دبک کر درخت کے قریب بیٹھ گیا۔

اتنے میں امیر حمزہ، عُمرو اور مُقبِل قریب آ گئے۔ انہیں حیرت تھی کہ اس شخص نے جنگل کے بادشاہ کو کیسے قابُو میں کیا۔ امیر حمزہ نے اس سے پوچھا:

"اے پہلوان تُو کون ہے اور اس شیر کو زنجیروں میں کیوں جکڑ رکھا ہے؟"

اس شخص نے اس زور کا قہقہہ لگایا کہ عُمروڈر کے امیر حمزہ سے جا چمٹا۔

”میرا نام جبران ہے۔ شیر میرا غلام ہے۔ جو مالدار آدمی اس جنگل سے گزرتا ہے، اس پر شیر کو چھوڑ دیتا ہوں۔ شیر اس کی تِکا بوٹی کر کے اپنا پیٹ بھرتا ہے اور میں اس کا سامان لے جا کر بازار میں بیچتا ہوں۔ اسی پر میری گزر بسر ہے۔ بہت دن سے کوئی شکار نہیں ملا تھا۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ تینوں کے پاس خاصا مال و دولت ہے۔ لاؤ یہ سب میرے حوالے کر دو ورنہ میں شیر کو چھوڑتا ہوں۔“

امیر حمزہ گھوڑے سے اُترے اور جبران کے قریب جا کھڑے ہوئے۔ وہ بھی کھڑا ہوا اور حیرت سے امیر حمزہ کو دیکھنے لگا جو کبھی شیر کی طرف دیکھتے کبھی جبران کی طرف۔ ان کے چہرے پر خوف کی کوئی علامت نہ تھی۔ انہوں نے جبران سے کہا:

”میں تو سمجھا تھا کہ تو کوئی بہادر اور شریف انسان ہو گا۔ لیکن تیرے کرتوت تو اُچکّوں اور ٹھگوں جیسے ہیں۔ خدا نے تُجھے ایسا ڈیل ڈول اور اتنی طاقت عطا کی

ہے۔ تو اس سے نیک کام کیوں نہیں لیتا؟"

"تم پہلے آدمی ہو جو نہ مُجھ سے ڈرے نہ میرے شیر سے۔" جبران نے کہا "اور میں تمہاری اس جرأت سے خوش ہوا۔ اسی لیے تمہاری جان بخشی کرتا ہوں۔ مگر شرط یہ ہے کہ اپنا گھوڑا اور کُل سامان میرے حوالے کر دو۔"

"اگر مُجھے تیری شرط منظور نہ ہو تو؟" امیر حمزہ نے پوچھا۔

"پھر میں اس شیر کو تُم پر چھوڑ دُوں گا اور یہ آناً فاناً تُم کو اور تمہارے دونوں ساتھیوں کو ہڑپ کر جائے گا۔"

"بہتر ہے کہ تم یہ ارمان بھی نکال لو" امیر حمزہ نے کہا اور نیزہ تان لیا۔ اُدھر جبران نے شیر کی زنجیریں کھولیں اور اِدھر عُمرو چیختا چلّاتا ایک درخت کی طرف بھاگا۔ ساتھ ساتھ امیر حمزہ کو بھی آوازیں دیتا جاتا تھا کہ پاگل ہوئے ہو جو شیر کا مقابلہ کرتے ہو؟ کہاں آدمی کہاں درندہ۔ کوئی مقابلہ بھی ہے۔ لیکن امیر حمزہ نے اس کی طرف دھیان نہ دیا۔

شیر آزاد ہوتے ہی اس زور سے گرجا کہ زمین تھرّا گئی اور درختوں پر بیٹھے ہوئے پرندے خوفزدہ ہو کر اُڑنے لگے۔ امیر حمزہ اپنی جگہ چٹان کی طرح جمے کھڑے رہے۔ شیر کی دُم تیزی سے گردش کر رہی تھی اور اس کا جبڑا بھیانک انداز میں کھُلا تھا۔ ایک چھوٹا سا چکر کاٹ کر وہ چند قدم حمزہ کی جانب بڑھا۔ اب اس کا پیٹ زمین کو چھو رہا تھا اور اس نے اگلے دونوں پنجے مٹّی میں گاڑ دیے۔ امیر حمزہ نے بھی نیزے کو حرکت دی اور دو قدم پیچھے ہٹ گئے۔ شیر ایک بار پھر دھاڑا اور امیر حمزہ پہ چھلانگ لگائی لیکن اُنہوں نے شیر کا وار خالی دیا اور پوری قوت سے نیزہ اس کے پیٹ میں مارا۔ نیزے کا چمکدار اور تیز پھل شیر کا پیٹ چھیدتا ہُوا پیٹھ سے نکل گیا۔

زخمی ہونے کے بعد شیر کٹے ہوئے بکرے کی طرح زمین پر تڑپنے لگا۔ جبران نے اپنے پالتو شیر کو مرتے دیکھا تو اُس کی آنکھوں سے چنگاریاں اُڑنے لگیں۔ تلوار کھینچ کر امیر حمزہ کی طرف لپکا اور چاہتا تھا کہ تلوار مار کر ان کے دو ٹکڑے کر دے کہ امیر حمزہ نے اپنا ہاتھ مارا کہ جبران کے ہاتھ سے تلوار

چھوٹ کر دور جا گری اور وہ ہکّا بکّارہ گیا۔ امیر حمزہ نے تلوار کی نوک اس کے سینے پر رکھ دی اور کہا:

"تُجھ جیسے بزدل کو مار کر مجھے خوشی نہ ہو گی۔ لیکن تُجھے چھوڑنا بھی خطرناک ہے۔ کیوں کہ تُو خُدا کی مخلوق کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ وعدہ کر کہ آیندہ یہ حرکت نہ کرے گا اور محنت مشقّت کر کے روزی کمائے گا۔"

"وعدہ کرتا ہوں" جبران نے شرمندہ ہو کر کہا۔

امیر حمزہ نے اسے گلے سے لگایا اور کہا:

"اب تو میرا بھائی ہے۔ میں اپنی فوج کے ساتھ یمن پر حملہ کرنے جا رہا ہوں۔ آج سے تو میری فوج کا جھنڈا اُٹھا کر آگے آگے چلے گا۔"

عُمرو اور مقبل نے بھی جبران سے ہاتھ ملایا اور خُوشی خُوشی اسے ساتھ لے کر اپنے لشکر میں آئے۔

اُدھر یمن کے بادشاہ منظر شاہ کو یہ خبر ملی کہ امیر حمزہ ایک بہت بڑا لشکر لے

کر حملہ کرنے کے لئے آرہے ہیں اور ان کے ساتھ میں سُہیل بھی ہے تو منظر شاہ کو بُہت غصّہ آیا۔ اس نے اپنے بیٹے نُعمان کو بُلا کر حکم دیا کہ دس ہزار جوان لے کر شہر سے باہر امیر حمزہ کو روکو۔ لیکن نعمان اگلے ہی روز آدھی سے زیادہ فوج امیر حمزہ کے ہاتھوں کٹوا کر واپس بھاگ آیا۔

اب تو منظر شاہ کے ہوش بھی اُڑ گئے۔ اسے اپنے بیٹے نعان پہ بڑا ناز تھا۔ لیکن جب اس کے مُنھ سے شکست کی بات سُنی تو امیر حمزہ اور اس کی فوج کا خوف اس کے دل پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی بچی کھچی فوج کو حکم دیا کہ شہر چھوڑ کر قلعے میں پناہ لے۔

تین دن بعد امیر حمزہ کا لشکر یمن کے قلعے کے نزدیک پہنچا۔ قلعے کا دروازہ بند تھا۔ فصیلوں اور بُرجیوں پر منظر شاہ کے سپاہی تیر کمان اور نیزے لیے کھڑے تھے۔ حمزہ نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔

کئی دن گزر گئے۔ اس دوران میں قلعے کے اندر خوراک اور پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا۔ منظر شاہ کے سپاہی اور رعایا بھُوکی مرنے لگی۔ آخر تنگ آکر اس نے صُلح

کا پیغام بھیجا۔ امیر حمزہ نے یہ شرط لگائی کہ منظر شاہ خود حاضر ہو۔

یہ دیکھ کر منظر شاہ اپنے سرداروں اور بیٹوں کے ساتھ قلعے سے باہر نکلا اور امیر حمزہ کے قدموں پر آن گرا۔ اُنھوں نے اس کی عزّت کی، اپنے خیمے میں لے گئے اور کہا کہ اگر تم آیندہ جنگ نہ کرنے کا عہد کرو تو یمن کا قلعہ اور شہر تمہارے ہی پاس رہنے دیا جائے گا۔ منظر شاہ اور اس کا بیٹا امیر حمزہ کے اچھے اخلاق اور عُمدہ سلوک سے بہت خوش ہوئے اور انھوں نے یک زبان ہو کر کہا:

”ہم آپ کے غلام ہیں۔ جہاں آپ جائیں گے ہم بھی جائیں گے۔“

اُن کی ضد سے مجبور ہو کر امیر حمزہ نے منظر شاہ اور نعمان کو بھی لشکر میں شامل کیا اور واپس مکّے کی جانب روانہ ہوئے۔

ختم شد